بفیض تاجدار اہلِ سنت حضور مفتی اعظم محمد مصطفےٰ رضا قادری نوری رضی اللہ عنہ

ردِ غیر مقلدین میں علامہ فیض احمد اویسی صاحب کے رسائل کا مجموعہ

غیر مقلدوں کا آپریشن

حضور مفسر اعظم پاکستان، فیض ملت، شیخ القرآن و حدیث، خلیفہ مفتی اعظم ہند

حضرت علامہ الحافظ مفتی پیر محمد فیض احمد اویسی رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

- فقہ حنفی اور وھابی
- گستاخی کس چیز کا نام ہے
- غیر مقلدین کی ننگے سر نماز
- آمین آہستہ کہنے کا ثبوت
- اذان سے قبل درود وسلام پڑھنا
- قرأت خلف الامام
- مزارات کے قبہ جات کا ثبوت

ناشر: جماعت رضائے مصطفےٰ
اورنگ آباد، مہاراشٹر

بفیض: تاجدارِ اہلِ سُنّت حضور مفتی اعظم محمد مصطفی رضا قادری نوری رضی اللہ عنہ

ردِّ غیر مقلدین پر علامہ فیض احمد اویسی صاحب کے چند رسائل کا مجموعہ

فقہ حنفی اور وھابی

تحقیق وتصنیف

حضور مفسرِ اعظم پاکستان، فیضِ ملت، شیخ القرآن وحدیث، خلیفہ مفتی اعظم ہند

حضرت علامہ الحافظ مفتی پیر محمد فیض احمد اُویسی رضوی محدث بہاولپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ناشر: جماعت رضائے مصطفی

شاخ اورنگ آباد، مہاراشٹر

نام کتاب:	فقہ حنفی اور وہابی
مصنف :	علامہ مفتی فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ
کمپوزنگ:	صاحبزادہ مفتی محمد فیاض احمد اویسی مدظلہ العالی
تصحیح :	محمد زبیر قادری
سن اشاعت:	بموقع عرسِ اعلیٰ حضرت ۱۴۳۷ھ/۲۰۱۵ء
تعداد :	1100
صفحات :	232
قیمت :	-/120 روپے۔

تقسیم کار

تاج الشریعہ کتاب گھر

چمپا مسجد کے سامنے، چمپا چوک، اورنگ آباد، مہاراشٹر

رابطہ: 9665947865

ای میل: hanfirazvi@gmail.com

عرضِ ناشر

الحمدللہ عزوجل جماعت رضائے مصطفیٰ شاخ اورنگ آباد کے تحت سال گذشتہ 2015 میں چھ اہم کتابوں کا سیٹ شائع کیا گیا۔ جسے بڑی پذیرائی وکامیابی ملی۔ ان میں سے چند کتب تو اس قدر اہم تھیں کہ قلیل عرصے میں دو تین ایڈیشن شائع ہو کر ختم ہو گئے۔ الحمدللہ ... امسال بھی مزید ہمت بڑھاتے ہوئے ہم بارہ کتابوں کا سیٹ شائع کر رہے ہیں، جن میں اکثر کتب ہندوستان میں پہلی مرتبہ شائع ہو رہی ہیں۔ تمام ہی کتب مختلف موضوعات پر اہم ہیں۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی حضرت علامہ مفتی فیض احمد اویسی صاحب کے غیر مقلدین کے رد میں لکھے گئے چند رسائل کا یہ ۶ رکتب کا مجموعہ شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ کتاب حالاتِ حاضرہ کے تحت عوام اہلِ سنّت کے لیے بے حد مفید ہیں کہ ان کے مطالعے سے معلومات میں اضافہ ہوگا جو وہابی غیر مقلدین سے بچنے اور دفع میں کام آئے گا۔ لہٰذا زیادہ سے زیادہ اس کتاب کو عام کیا جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے وطفیل مصنف کی اس سعی کو قبول فرمائے، دینِ متین کی مزید خدمت کی توفیق عطا فرمائے اور اس کتاب کو نافع ہر خاص وعام بنائے۔ نیز ہماری اس کاوش کو قبولِ عام فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہِ حبیبک سید المرسلین

خادمِ اہلِ سنّت

محمد گل حنان حنفی رضوی

سیکریٹری: جماعت رضائے مصطفیٰ، شاخ اورنگ آباد (مہاراشٹر)

پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

امابعد! آئے دن وہابی غیر مقلد احناف کے خلاف لمبے لمبے اشتہار چھاپ کر انتشار پھیلا رہے ہیں اور اس سے ان کا مقصد سوائے فتنہ وفساد کے اور کچھ نہیں، ورنہ دین کی خدمت کے ہزاروں شعبے اس قابل ہیں کہ ان کی بار بار اشاعت کی جائے لیکن ان کا نام تک نہیں لیا جاتا، صرف اسی لیے کہ ان کی اشاعت میں فتنہ انگیزی نہیں بلکہ اصلاحِ اسلام ہے، لیکن انہیں اصلاح سے کیا کام؟ انہی کے لیے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَآ اِنَّھُمۡ ھُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ. (پارہ۱، سورۂ البقرہ، آیت ۱۲)

سنتا ہے وہی فسادی ہیں۔

فقیر چند نمونے ان کے مختلف تصانیف واشتہارات سے سوالیہ لکھ کر ان کے جوابات عرض کرتا ہے تاکہ بھولے بھالے احناف ان کے دامِ تزویر میں گرفتار نہ ہوسکیں۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

محمد فیض احمد اویسی

فقہ حنفی اور وہابی

سوال} حنفی فقہ میں ہے "بِنَبِیۡذِ التَّمۡرِ" یعنی نشہ آور شراب سے وضو جائز ہے۔ چنانچہ فقہا نے لکھا ہے کہ

قَالَ اَبُوۡ حَنِیۡفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ یَتَوَضَّأُ بِنَبِیۡذِ التَّمۡرِ وَلَا یَتَیَمَّمُ.

(الفتاوی الھندیۃ، الفصل الثانی فیما لا یجوز بہ التوضؤ، جلد ۱، ص ۲۱)

نشہ آور شراب یعنی نبیذ تمر سے وضو جائز ہے۔

جواب} سراسر دھوکہ اور سفید جھوٹ ہے اس لیے کہ "بِنَبِیۡذِ التَّمۡرِ" کا لفظ بول کر شراب اور نشہ آور از خود گھڑ لیا اس لیے کہ نبیذ تمر نہ شراب ہے نہ نشہ آور۔ ہمارا چیلنج ہے کہ "بِنَبِیۡذِ التَّمۡرِ" کو شراب یا نشہ آور کوئی وہابی ثابت کردے منہ مانگا انعام پائے۔

گھر کا مسئلہ} خود غیر مقلدین وہابی نبیذ تمر پاک لکھتے ہیں۔ چنانچہ عرف الجاوی ص۹ میں ہے "نبیذ تمر پاک است" نبیذ تمر کا پانی پاک ہے۔

لیکن یہ اعتراض صرف عوام کو دھوکہ دہی کے لیے ہے ورنہ نبیذ تمر نہ شراب ہے، نہ نشہ آور اور یہ بھی احناف نے بوقتِ ضرورت وضو کے جواز کے لیے لکھا ہے کہ جس طرح دوسرے پانیوں سے وضو جائز ہے نبیذ تمر سے بھی وضو جائز ہے، کیونکہ نبیذ تمر ایک قسم کا پانی ہے، اسی لیے جب یہ میسر ہو تو تیمم نہ کرے۔

لطیفہ} احناف پر محض دھوکے سے اعتراض جڑ دیتے ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا اپنا پتلا بلکہ زبوں۔ ایک حوالہ ملاحظہ ہو مولوی وحید الزمان نے لکھا:

المنی طاھر سواء کان رطبا اویابسا مغلظا اوغیر مغلظ وغسلہ ازکی واولی وکذلک الدم غیر دم الحیض ولذلک رطوبۃ الفرج وکذلک الخمر وبول ما یوکل لحمہ ومالا یوکل لحمہ من الحیوانات ولا

نجس عندنا الا غائط الانسان وبوله.

(نزل الابرار من فقه النبی المختار، باب الانجاس، ص ۴۹، مطبوعہ بنارس الهند)

منی گیلی ہو یا خشک، گاڑھی ہو پتلی، خون رطوبت فرج شراب حلال وحرام جانوروں کا پیشاب سب پاک ہیں۔ اہلِ حدیث کے نزدیک سوائے انسانی پاخانہ پیشاب کے علاوہ کوئی چیز پلید ونجس نہیں۔

غیر مقلد "الا غائط الانسان وبوله" پڑھیں "لا نجس عندنا" کی ضرب لگائیں، دیوار سے سر ٹکرا ٹکرا کر مر جائیں اس زندگی سے یہ موت ہزار درجہ بہتر ہے جس زندگی میں سوائے پاخانہ وانسانی پیشاب کے ہر چیز پاک وقابلِ استعمال سمجھی جائے مگر جس کھانے پر قرآن پڑھا جائے اس کو حرام قرار دیا جائے۔

سوال} تمہارے نزدیک حقے کے پانی سے وضو جائز ہے جیسا کہ احکامِ شریعت و بہارِ شریعت میں لکھا ہے۔

جواب} اس دیدۂ کور کو لفظ حقہ اور پانی اور جائز کے الفاظ تو نظر آ گئے مگر پانی اصلاً نہ ہو تو کہ الفاظ شیرِ مادر سمجھ کر سمجھنے سے نظر انداز کر دیئے۔ احکامِ شریعت میں صاف صاف تحریر ہے کہ جب کسی قسم کا پانی میسر نہ ہو تو اس وقت بحالتِ مجبوری وبربنائے ضرورت حقے کے پانی کے استعمال کی اجازت ہے، اس کے ہوتے ہوئے تیمم جائز نہیں کیونکہ

الضرورات تُبِیح المحظورات.

یعنی ضرورتیں ممنوعہ اشیا کو مباح یعنی جائز کر دیتی ہیں۔

جواب ۲} فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا.

(پارہ ۵، سورۃ النساء، آیت ۴۳)

اور پانی نہ پایا تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔

میں لفظ "مَآءً" نکرہ ہے جو مقامِ وحیزِ نفی میں واقع ہے اور قانون وقاعدہ ہے کہ نکرہ مقامِ نفی میں مفید عموم ہوتا ہے، تو "مَآءً" تقاضا کرتا ہے کہ تیمم اُس وقت نائب یا خلیفہ ہے

جب کسی قسم کا پانی میسر نہ ہو اس عدوِ اہلِ سنت کو احکامِ شریعت اور بہارِ شریعت میں مذکورہ عبارت تو نظر آ گئی مگر اغلاط العوام میں مولوی اشرف علی تھانوی کی عبارت اور نزل الابرار میں وحید الزمان کی عبارت نظر نہ آئی۔ مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب میں لکھا:

حقہ کے پانی کو بھی عوام ناپاک سمجھتے ہیں، اگرچہ اُس سے بچنا نظافت کے لیے ضروری ہے لیکن اس سے ناپاک ہونا لازم نہیں آتا۔

(اغلاط العوام یعنی عوام کے غلط مسائل، ذکر طہارت ونجاست اور نظافت وغیرہ کی اغلاط، ص ۲۵، ناشر ادارۃ المعارف کراچی، احاطہ دار العلوم کراچی ۱۴)

اور وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

انه يجب على الزوج اعداد الحقة لزوجتها اذا كانت لها عادة بشرب الدخان.

(نزل الابرار من فقه النبی المختار، جلد الثالث، کتاب الاشربة، ص ۹۰، مطبوعه بنارس، الهند)

خاوند پر حقہ گھر میں رکھنا واجب ہے، اگر عورت کو حقہ پینے کی عادت ہے۔

دعویٰ نجس عین بودن سگ وخنزیر وپلید بودن خمر ودم مسفوح وحیوان مردار نا تمام است۔ (عرف الجادی، باب در بیان ازالہ نجاست، ص ۱۰)

خنزیر وکتے کے نجس العین ہونے اور شراب وخون جاری اور حیوان مردار کے پلید ہونے کا دعویٰ نامکمل اور بلا دلیل ہے۔

الخمر طاهر وحلال اکله اذلا دلیل علی نجاسة.

(نزل الابرار من فقه النبی المختار، جلد اوّل، کتاب الطهارة، ص ۳۰، مطبوعه بنارس الهند)

شراب پاک ہے اور اس کا کھانا حلال ہے کیونکہ اس کے پلید ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔

سوال} اگر جانور یا مردہ سے مجامعت کی یا فرج سے باہر مجامعت کی اور انزال نہ ہوا

توروزہ فاسد نہ ہوگا۔

جواب} اس مسئلے میں کون سی وجہ اختلاف واعتراض ہے۔ عالمگیری میں یہ عبارت تو تم نے دیکھ لی اور اپنی کتاب نزل الابرار سے آنکھیں بند کرلیں، اس میں صاف لکھا ہے کہ

لو ادخل اصبعه فی دبره او ادخلت اصبعهافی فرجها لا یفسد الصوم۔

(نزل الابرارمن فقه النبی المختار، باب مایفسدالصوم الخ، ص ۲۲۹، مطبوعه بنارس، الهند)

اگر مرد نے اپنی انگلی اپنے پاخانہ کی جگہ میں یا عورت نے اپنی شرمگاہ میں داخل کی توروزہ فاسد نہ ہوگا۔

ایک اور حوالہ پڑھ لیں:

لو جامع امراته فیمادون الفرج ولم ینزل لم یفسد۔

(نزل الابرارمن فقه النبی المختار، باب مایفسدالصوم الخ، ص ۲۲۹، مطبوعه بنارس، الهند)

اگر کسی نے اپنی بیوی سے شرمگاہ کے علاوہ دوسرے مقام میں جماع کیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

اب فیصلہ خود کریں کہ عالمگیری غلط ہے یا عرف الجادی ونزل الابرار۔

سوال} حنفی مذہب میں ماں، بہن، بیٹی سے نکاح کرکے جماع کرے تو حد نہیں جیسا کہ ہدایہ میں موجود ہے:

من تزوج امرأة لا یحل نکاحها فوطئها لا یجب علیه الحد۔

جواب} ہدایہ کی عبارت یہ ہے:

ومن تزوج امرأة لا یحل له نکاحها فوطئها لا یجب علیه الحد عند أبی حنیفة رحمه الله۔

(الهدایة شرح البدایة، فصل فی کیفیة الحدواقامة، جلد۲، ص ۱۰۲)

جس شخص نے ایسی عورت سے نکاح کیا جس سے نکاح کرنا حلال نہ تھا، پھر اُس نے اُس عورت سے وطی بھی کرلی تو امام صاحب کے نزدیک اس شخص پر حد نہیں (بلکہ تعزیر ہے)

ناظرین کرام! یہاں چند چیزیں سمجھنی ضروری ہیں۔

(۱) مذکورہ بالا عبارت میں "امرأة" سے کون سی عورتیں مراد ہیں۔

(۲) حد اور تعزیر میں فرق۔

(۳) ان دونوں میں سنگین سزا کیا ہے۔

(۴) امام صاحب کے نزدیک حد نہیں تو کیا تعزیر بھی ہے یا نہیں۔

(۵) اگر حد نہیں تو اس کی کیا وجہ، اگر تعزیر ہے تو اس کی کیا وجہ۔

(۶) زنا اور وطی بالنکاح میں فرق۔

(۱) ان عورتوں سے مراد بالذات خالہ، پھوپھی، منکوحۃ الاب مطلقہ بائنہ ورجعیہ کی عدت میں اس کی ہمشیرہ سے نکاح جیسا کہ ہدایہ میں ہے:

قال الشافعی رحمه الله إن كانت العدة عن طلاق بائن أو ثلاث يجوز لانقطاع النكاح بالكلية إعمالا للقاطع ولهذا لو وطئها مع العلم بالحرمة يجب الحد۔

ولنا أن نكاح الأولى قائم لبقاء أحكامه كالنفقة والمنع والفراش والقاطع تأخر عمله ولهذا بقي القيد والحد لا يجب على إشارة كتاب الطلاق۔

جیسا کہ ہدایہ شریف میں مرقوم ہے:

وهو نظير نكاح الأخت۔

(الهدایة شرح البدایة، فصل فی بیان المحرمات، جلد ۱، ص ۱۹۴)

حقیقی ماں اور حقیقی ہمشیرہ سے نکاح یہ تو کسی زمانہ اور کسی مذہب میں بھی محلِ نظر نہیں رہا جبکہ ہر زمانے میں ہر مذہب، ہر دھرم میں اس کو بُرا اور ممنوع سمجھا گیا۔ اگر شک وشبہ ہوسکتا تھا تو ان عورتوں کے متعلق جن کا تذکرہ ہم نے اوپر کیا، یہی وجہ ہے کہ یہ دشمن فقہ غیر مقلد وہابی کوئی فرضی صورت بھی نہیں پیش کرسکتے کہ جس میں امام ابوحنیفہ نے کہا ہو کہ اگر کسی نے اپنی ماں یا بہن سے نکاح کیا ہو، اگر دیانت صداقت ہے تو ایک فرضی صورت ہی پیش کریں مگر ایسا تم سے نہ ہوسکے گا۔ اب اصل مصداق مذکورہ بالا عورتیں اور اس قسم کی دوسری عورتوں میں ماں اور بہن نہیں۔

سوال} اگر مذکورہ عبارت سے مراد مذکورہ عورتیں ہیں مگر اس سے لازم آتا ہے کہ ماں اور بہن سے نکاح کرکے وطی کرے تو اس کو بھی حد نہیں لگنی چاہیے۔

جواب} یہ صورت نمبر ۲ پہلی صورت نمبر ا کو لازم ہے اور لازم مذہب مذہب نہیں ہوتا جیسا کہ مولوی وحید الزمان نے اپنی کتاب ہدیۃ المہدی پر صاف صاف لکھا ہے کہ

لازم المذهب ليس بمذهب۔

لازم مذہب مذہب نہیں ہوتا۔

ہدیۃ المہدی کی عبارت حسبِ ذیل ہے:

لازم المذهب ليس بمذهب فان اهل الحديث كلهم يثبتون جهة الفوق الله تعالى وصحته الاشارة اليه و كذلك الاستواء والنزول والصعود و كذلك اليد والوجه والعين والاصابع وغيرها۔

(ہدیۃ المہدی، الجزء اول، فصل لازم المذهب ليس بمذهب، ص ۱۱۷، ناشر اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ)

خلاصہ تمام اہلِ حدیث اللہ کے لیے جہت فوق اشارہ نزول صعود ہاتھ، چہرہ، آنکھ، انگلیاں ثابت کرتے ہیں اور یہ ان کا مذہب ہے۔ اس سے اللہ کا جسم ہونا لازم آتا ہے تو وحید الزمان کہتا ہے کہ مذکورہ چیزیں ہمارا مذہب ہے، جسم ہونا مذہب نہیں کیونکہ لازم مذہب

مذہب نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص مذکورہ عورتوں سے نکاح کرکے وطی کرے تو حد نہ ہونے سے لازم آتا ہے کہ ماں اور بہن کی صورت میں بھی حد نہ ہو غلط ہے کیونکہ لازم مذہب مذہب نہیں لہٰذا پہلی صورت میں حد نہیں اور ماں بہن والی صورت میں حد ہے۔

(۲) حد اور تعزیر میں فرق یہ ہے کہ حد مقرر ہے سو کوڑے درمیانے سائز درمیانے انداز میں جسم کے مختلف حصوں پر اس طرح مارنے ہیں کہ مجرم ہلاک نہ ہو۔ (تعزیر) میں ایک کوڑے سے لے کر ستر کوڑوں تک زور سے جسم کی ایک جگہ پر مارنے ہیں، اگر حکم وقت پہاڑ سے گرادے یا دریا میں غرق کردے، آگ میں جلادے، چھت سے گرادے اور اوپر سے پتھر بھی ماریں سب جائز وتعزیر ہیں جیسا کہ ہدایہ میں لواطت کی سزا کے بیان میں مرقوم ہے:

لاختلاف الصحابة فى موجبه من الإحراق بالنار وهدم الجدار والتنكيس من مكان مرتفع باتباع الأحجار۔

(الهداية شرح البداية، فصل فى كيفية الحد واقامة، جلد ۲، ص ۱۰۲)

لوطی کی سزا میں خود صحابۂ کرام کا اختلاف تھا، کسی کا خیال تھا کہ اس پر دیوار گرادی جائے، کسی نے کہا مکان سے گرادیا جائے اور پتھر بھی مارے جائیں، کسی نے کہا کہ آگ میں جلادیا جائے۔ لہٰذا یہ تعزیر ہے، حد نہیں۔

(۳) حد اور تعزیر میں سخت سزا تعزیر ہے، جیسا کہ خود وہابی مولوی وحید الزماں اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

قال ابوحنيفة اشد الضرب التعزير ثم حد الخمر ثم حد القذف ثم حد الزنا۔

(نزل الابرار من فقه النبى المختار، جلد ثانى، كتاب الحدود، ص ۳۰۴، مطبوعه بنارس، الهند)

اور امام ابی یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

أنه علی قدر عظم الجرم۔

(الهداية شرح البداية، فصل فی التعزیر، جلد ۲، ص ۱۱۷)

تعزیر جرم کے برابر ہوگی، اگر جرم بڑا تو سزا بڑی۔

خود وحید الزماں نے تعزیر میں قتل تک سزا کو جائز کہا "او یقتل تعذیرا" (نزل الابرار)

(۴) امام صاحب کے نزدیک مذکورہ صورت میں حد نہیں بلکہ تعزیر ہے۔

(۵) حد اس لیے نہیں کہ "والحدود تندری ء بالشبهات" کہ حد شبہ سے اُٹھ جاتی ہے۔ یہاں نکاح نے وطی کے حلال وحرام ہونے میں شبہ پیدا کر دیا اور حدیث پاک میں صاف موجود ہے کہ شبہات سے حدود کو اُٹھا دو مگر تعزیر ضرور ہے۔

نوٹ} زانی پر حد ہے، لوطی پر تعزیر ہے وغیرہ مسائل کا تعلق اسلامی معاشرہ سوسائٹی اور اسلامی حکومت واقتدار سے ہے۔

حدود وغیرہ وہاں ہی جاری ہوں گی جہاں حکومت ومعاشرہ اسلامی ہوں۔ کفر اور دار الکفر میں تو ایسے مسائل وحدود کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب اسلامی معاشرہ میں کہ جہاں اسلامی حدود نافذ ہوں کسی کو اس حد تک معذور سمجھنا کہ وہ ماں اور بہن سے نکاح کرے تو حد ہے یا نہیں میرے نزدیک قطعاً غلط ہے۔

یہ صورت دوسری بعض عورتوں کے متعلق تو نکل سکتی ہے کہ اس کو اُن سے نکاح کے حرام ہونے کا علم نہ تھا مگر ماں اور بہن کے متعلق عقلِ سلیم اس حد تک جہالت کو اسلامی سوسائٹی میں تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ نیز بعض دوسرے فقہا کا "ان علم بہ" وغیرہ کی بعض صورتوں میں قید لگانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ہدایہ کی مذکورہ عبارت سے مراد ماں اور بہن کے علاوہ دوسری رشتے دار عورتیں ہیں کہ جن سے نکاح حلال نہ تھا اور اس نے نکاح بھی کیا اور وطی بھی۔ کتنا ہی جاہلیت کا تاریک دور آپ نکال لیں اس میں بھی ماں اور بہن

کے نکاح کی حرمت کا علم تھا، یہاں تک کہ ہندو سکھ عیسائی بدھ بلکہ سوشلسٹ دھرموں کے نزدیک بھی ماں اور بہن سے نکاح ووطی جائز نہیں۔ بس یہی میرا مقصود ہے کہ عبارتِ مذکورہ میں ماں، بہن والی شق جاری کرنا غلط ہے۔

(۶) فِي الشَّرْعِ قَضَاءُ الْمُكَلَّفِ شَهْوَتَهُ فِي قُبُلِ امْرَأَةٍ خَالِيَةٍ عَنِ الْمِلْكَيْنِ وَشُبْهَتِهِمَا لَا شُبْهَةَ الِاشْتِبَاهِ۔ (العناية شرح الهداية، كتاب الحدود، جلد ۷، ص ۱۴۰)

کسی عاقل بالغ شخص کا کسی عورت کی قبل سے شہوت کو پورا کرنا مگر وہ عورت مِلک نکاح میں بھی نہ ہو (ورنہ وہ بیوی ہے) اور ملک یمین میں بھی نہ ہو (ورنہ وہ لونڈی ہے) اور ان دونوں کے شبہ سے بھی خالی ہو۔ شبہ میں حسب ذیل عورتیں آتی ہیں:

(۱) باپ کی لونڈی (۲) ماں کی لونڈی (۳) بیوی کی لونڈی (۴) مطلقہ ثلاثہ فی العدۃ (۵) مطلقہ بائنہ فی العدۃ وغیرہ وغیرہ تقریباً آٹھ عورتیں ہیں۔ شبہ اشتباہ سے بھی خالی ہو جیسا کہ سالی کی چارپائی بیوی کی چارپائی کے ساتھ کہ اندھیرے میں بیوی سمجھ کر سالی کے ساتھ وطی کر لی شبہ ملکین ہو یا شبہ الاشتباہ ان دونوں صورتوں میں امام صاحب کے نزدیک و بعض دیگر فقہا کے نزدیک حد نہیں تعزیر ہے۔

فائدہ} اس مسئلے کی مزید توضیح یہ ہے کہ ایک ہے جرم، دوسرا ہے ڈبل جرم۔ کسی محرمہ سے نکاح کر کے وطی کرنا۔ ماں اور بہن ہی فرض کر لیں، یہ جرم ہی نہیں بلکہ ڈبل جرم ہے ایک نکاح دوسرا وطی۔ جرم کی سزا حد ہے، ڈبل جرم کی سزا حد نہیں بلکہ تعزیر ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک محارم سے نکاح کرنا جرم ہے یا ڈبل جرم۔ اگر جرم ہے تو سزا حد اور اگر ڈبل ہے تو سزا تعزیر، جس میں مثل غرق خرق ہدم الجدار وغیرہ سزا آجاتی ہے۔ اب میں ان شاء اللہ العزیز دعویٰ سے کہتا ہوں کہ امام صاحب کے نزدیک یہ فعل بڑا جرم ہے، اس کی دلیل ہدایہ شریف کی عبارت ہے:

أنه ارتكب جريمة الخ۔

(الهداية شرح البداية، فصل فی کیفیة الحد واقامة، جلد ۲، ص ۱۰۲)

"جریمة" صیغہ مبالغہ کا ہے جس کا معنی ہے ڈبل وسخت اور بہت بڑا جرم۔ جب یہ بہت بڑا جرم ہے اور امام صاحب کے نزدیک سزا میں تعزیر بھی بہت بڑی سزا ہے، لہٰذا بڑے جرم کی سزا امام صاحب نے تجویز کی۔

لطیفہ} غیر مقلدین ایسے شخص کے لیے حد تجویز کرکے اس کو زندہ رکھنے اور مجرم کو بچانے کی کوشش کررہے ہیں جبکہ امام صاحب ایسے ناپاک شخص کے وجود سے معاشرے کو پاک فرمارہے ہیں۔ اس کا ثبوت برجندی کی حسبِ ذیل عبارت ہے:

لوطی کی سزا کے متعلق امام صاحب فرماتے ہیں:

فلا یجب الحد عند ابی حنیفه بل یعذر بان یحرقا بالنار او یجلدا او ینکسا من اعلی موضع باتباع الاحجار۔ (جلد ۴)

لواطت کرنے والوں پر امام صاحب کے نزدیک حد نہیں بلکہ تعزیر ہے، ان دونوں کو آگ سے جلادیا جائے یا کوڑوں سے ماردیا جائے یا مکان سے گرایا جائے اور ساتھ ساتھ پتھر مارے جائیں۔

بتاؤ وہابیو! سخت سزا تم نے دی یا امام صاحب نے۔ اب غیر مقلد اپنی کتاب کی عبارت کی وضاحت کردیں۔

وقیل تحل له بنته من الزنا وان الحرام لا یثبته به الحرمة الخ۔

(نزل الابرار)

اور کہا گیا ہے کہ زانی کے لیے اس کی زنا کی بیٹی سے نکاح جائز ہے۔

کیونکہ جناب! امام صاحب کے متعلق تو تم نے جھوٹ مگر زانی کے لیے تو بیٹی کا نکاح جائز کردیا جس پر نہ حد لازم کی نہ تعزیر۔ اب خدارا بتائیں کہ مجرم کون ہے۔

وہابی} تمہارے نزدیک برہمن اور کھتری سے نکاح پڑھانا جائز اور وہابی سے احتراز لازم۔

جواب} برہمن کھتری منکر شانِ رسالت ہے وہابی موہن شانِ رسالت کی توہین کرنے والا نتیجہ خود نکال لیں۔

سوال} تمہارے نزدیک کوا کھانا جائز ہے جیسا کہ کتب فقہ ہے۔

جواب} فقہا نے کوے کی پانچ قسمیں لکھی ہیں جس کو حلال کہا وہ کوا نہیں جو حرام ہے اور جس کو حرام کہا وہ حلال نہیں۔ شامی میں اس کی تفصیل ہے۔ فقیر اُویسی غفرلہ کی مستقل تصنیف اس مسئلے میں موجود ہے۔ ہاں کالا کوا تمہاری برادری دیوبندی نے حلال لکھا بلکہ بارہا اس کے کھانے کے جشن بھی منائے۔ انہیں تم حنفی سمجھتے ہو، ہمارے نزدیک وہ بھی وہابی ہیں۔ تفصیل دیکھیے فقیر کا رسالہ "دیوبندی وہابی ہیں"۔

سوال} اگر نماز میں قرآنِ پاک پر نظر پڑ گئی تو نماز فاسد ہوجائے گی اور عورت کی شرمگاہ نمازی دیکھ لے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ (اشتہار)

جواب} کتنا بدباطن ہے وہابی کہ دو عبارتیں مختلف جگہ سے لے کر اور آپس میں ملا کر یہ تاثر دیا کہ احناف کے نزدیک نماز اور قرآن کی استغفر اللہ عظمت نہیں۔ حالانکہ مسئلے الگ الگ، باب الگ، کتاب کے صفحات الگ مگر پھر بھی اس سیاہ دل نے یہ غلط تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی۔ میں اس سراپا بے ایمانی غیر مقلد کو چیلنج کرتا ہوں کہ تم آپس میں تمام جگادری مل کر بھی ایک عبارت بھی کسی کتاب سے ثابت نہیں کرسکتے کہ جس میں ہو "لو نظر فی القراٰن تفسد صلوة" ایسی عبارت نکال کر پیش کرو ورنہ تحریف لفظی ومعنوی سے توبہ کرو (اصل بات یہ ہے) کہ یہ جاہل عنید عالمگیری کی عبارت سمجھ ہی نہیں سکا اور نہ ہی اس میں فقہی عبارات سمجھنے کی صلاحیت ہے۔

وَیُفْسِدُهَا قِرَاءَتُهُ من مُصْحَفٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ۔

(الفتاوی الهندیة، الباب السابع فیما یفسد الصلاة وما یکره فیها وفیه فصلان، جلد ۱، ص ۱۰۱)

اور قرآن سے دیکھ کر پڑھنا نماز کو فاسد کردیتا ہے۔

له إنّ حَمْلَ الْمُصْحَفِ وَتَقْلِيبَ الْأَوْرَاقِ وَالنَّظَرَ فِيهِ عَمَلٌ كَثِيرٌ.

(الفتاوى الهندية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة ومايكره فيها وفيه فصلان، جلد ۱، ص ۱۰۱)

کیونکہ قرآن کا اُٹھانا، اوراق پلٹنا اور قرآن میں دیکھنا یہ عملِ کثیر ہے۔ جس کی نماز میں ضرورت نہیں۔

اس اجہل کو اتنا بھی علم نہیں کہ اس عبارت میں دعویٰ اور مسئلہ کون سی عبارت ہے اور دلیل کہاں سے شروع ہوتی ہے۔ دلیل کی ایک جزء کو دعویٰ اور مسئلہ سمجھ لیا اور لکھ دیا کہ قرآن پاک پر نظر ڈالنے سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ اے جاہل عجیب "حَمْلَ الْمُصْحَفِ" سے دلیل شروع ہوتی ہے جس کی تین جزیں ہیں۔

امام صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن کریم سے دیکھ کر نماز پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، دلیل یہ ہے کہ اس فعل سے تین چیزیں لازم آتی ہیں:

(۱) قرآنِ پاک کا نماز میں اُٹھانا (۲) اوراق کا پلٹنا (۳) قرآنِ پاک میں دیکھنا۔

یہ تینوں کام جب اکٹھے ہوجائیں تو عملِ کثیر بن جاتا ہے اور عملِ کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ صرف نظر کرنے سے امام صاحب کے نزدیک قطعاً نماز فاسد نہیں ہوتی جیسا کہ اسی صفحہ میں موجود ہے:

وَلَوْ نَظَرَ إِلَى مَكْتُوبٍ هُوَ قُرْآنٌ وَفَهِمَهُ لَا خِلَافَ لِأَحَدٍ أَنَّهُ يَجُوزُ.

(الفتاوى الهندية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة ومايكره فيها وفيه فصلان، جلد ۱، ص ۱۰۱)

اگر کسی شخص نے کسی چیز پر قرآن لکھا ہوا دیکھا پھر اس کو سمجھ بھی لیا کسی بھی فقہی کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔

فائدہ} انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے ہوئے کم از کم فقہی عبارات اور اصطلاحات کو سمجھنے کے لیے کسی حنفی عالم کی چند یوم شاگردی اختیار کرنے کا شرف حاصل

کریں تاکہ دعویٰ اور دلیل مسئلہ اور وجہ مسئلہ میں فرق کرسکیں۔

"وَلَوْ نَظَرَ إِلَى فَرْجِ الْمُطَلَّقَةِ" والی عبارت بالذات اور بالاصالت (براہِ راست) رجعت کے ثبوت کے لیے تحریر کی گئی، جس کا مفاد یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاقِ رجعی دی تو عدت میں اگر اس کی نظر شہوت سے عورت کی شرمگاہ پر پڑ گئی تب بھی رجوع ثابت ہوجائے گا مگر نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ فقط نظر تو کسی چیز پر بھی پڑسکتی ہے، اس میں نمازی کا کیا قصور ہے۔ نمازی کے سامنے سے انسان، حیوان، مرد، عورت، چھوٹا، بڑا، عریاں یا غیر عریاں سب گزر سکتے ہیں اور نمازی کی نظر بھی پڑسکتی ہے، لیکن نماز فاسد نہیں کیونکہ اس میں نمازی کا کوئی قصور نہیں۔

اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے} یہی گندے مسئلے دراصل وہابیوں کی فقہ میں ہیں۔ ملاحظہ ہو فقیر کی تصنیف ''وہابی نامہ'' اور ''وہابیوں کے دلچسپ مسئلے'' انہوں نے اپنے عیب چھپانے کے لیے احناف کی عبارات کو توڑ مروڑ کر کے احناف کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔ ذیل میں وہابیوں کی عبارات ملاحظہ ہوں:

☆ولا تفسد لو اشار باليد اتفاقا و كذلك لو صافح بيد واحد.

(نزل الابرار من فقه النبى المختار، جلداول، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة الخ، ص ۱۰۸، مطبوعه بنارس الهند)

اور نماز فاسد نہ ہوگی اگرچہ نماز میں اس نے ہاتھ کے ساتھ مصافحہ بھی کیا۔

☆انه لو سلم على رجل غائب فقال السلام على فلان لا تفسد.

(نزل الابرار من فقه النبى المختار، جلداول، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة الخ، ص ۱۰۸، مطبوعه بنارس الهند)

اگر کسی غائب شخص پر سلام کیا اور السلام علیکم کہا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

☆وان قصد مع التفهيم القراءة اولم يقصد شيئا فلا تفسد صلوته.

(نزل الابرار من فقه النبی المختار، جلداول، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ الخ، ص ۱۰۹، مطبوعہ بنارس الهند)

اگر ایک آیت بھی قرآن سے بارادہ تفہیم پڑھی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

☆وهكذا لو ظن انه اتم الصلوٰة فاستدبر القبلة و كلم الناس ثم ظهر انه لم يتم لا تفسد.

(نزل الابرار من فقه النبی المختار، جلداول، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ الخ، ص ۱۱۱، مطبوعہ بنارس الهند)

اگر کسی شخص نے خیال کیا کہ اس نے نماز مکمل کر لی ہے پھر قبلہ کی طرف پیٹھ بھی کر لی اور لوگوں سے باتیں بھی کیں پھر یاد آیا کہ نماز مکمل نہ تھی تو اس کی نماز نہیں ٹوٹی، آگے پڑھنی شروع کر دے۔

حج وعمرہ پر اعتراضات

سوال} اگر کسی نے شہوت سے معانقہ کیا یا کسی چوپائے و جانور سے دخول کیا تو کچھ واجب نہ ہوگا لیکن اگر انزال ہو گیا تو قربانی واجب، حج وعمرہ فاسد نہیں۔

الجواب} اس عبارت میں کون سی خرابی نظر آئی؟ اگر یہ فعل ثواب ہوتا تو قربانی کا حکم کیوں دیا جاتا؟ چونکہ یہ فعل غلط تھا اس لیے قربانی ادا کرنے کا حکم دیا گیا اور چونکہ اس میں حج وعمرہ کا کوئی رکن ضائع نہیں ہوا اس لیے عدم فساد کا حکم لگایا گیا کہ فاسد نہ ہوگا۔ اس کی مثال بالکل اسی طرح ہے جس طرح کوئی نماری نماز میں ترکِ واجب یا تاخیر فرض کر دے تو سجدۂ سہو لازم اور نماز درست۔

گھر کی گواہی} جو مسائل احناف کے غلط بتائے اگر چہ غلط نہیں وہ ان کے گھر میں بھی جائز ہیں چنانچہ عرف الجادی میں ہے کہ

جماع قبل وقوف بعرفہ مفسد حج نیست۔

(عرف الجادی، باب در بیان فوات واحصار، ص ۱۰۴)

وقوف عرفہ سے پہلے جماع کر لیا تو حج فاسد نہ ہوگا۔

پس وطی قبل یا بعد وقوف پیش از رمی یا قبل طواف زیارت (الی آخرہ) حجش غیر باطل و ہیچ شئ لازم او نیست۔

(عرف الجادی، باب در بیان فوات واحصار، ص ۱۰۵)

وقوف عرفہ سے پہلے یا وقوف عرفہ کے بعد رمی جمار سے پہلے یا طواف زیارت سے قبل جماع کرے تو حج باطل نہ ہوگا اور فدیہ بھی لازم نہیں۔

انتباہ} وہابی غیر مقلد حج کا تصور کر کے بتائیں جب ہر جگہ اور ہر حال میں وطی جائز اور حج درست ہے تو پھر ارکانِ حج کس چیز کا نام ہے، اس کے خلاف تمام فقہا ایسی صورتوں میں حج باطل اور دم لازم کہتے ہیں، دیکھو' عالمگیری کتاب الحج"۔

اور اپنی کتاب نزل الابرار پڑھ کر دیکھ لیں

☆وقالت الاحناف وجمهور العلماء من اهل المذاهب الاربعة اذا وطی المحرم فی الحج قبل الوقوف فسد نسكه.

(نزل الابرار من فقه النبی المختار، جلداول، کتاب الحج، ص ۲۵۳، مطبوعه بنارس، الهند)

تمام احناف اور چاروں کے جمہور علما نے کہا کہ اگر کسی محرم بالحج نے وقوف عرفہ سے پہلے وطی کی تو حج باطل ہو جائے گا۔

حنفی زکوٰۃ پر اعتراضات

سوال} ایک شخص کے پاس دو سو درہم ہیں اور اس پر زکوٰۃ لازم آتی ہے تو وہ حیلہ کر کے زکوٰۃ سے بچ سکتا ہے کہ سال پورا ہونے سے ایک دن پہلے ایک درہم صدقہ کر دے یا ہبہ کر دے وغیرہ وغیرہ۔

جواب} تحریف وبہتان تراشی ہر بدمذہب کرتا ہے لیکن تحریفِ لفظی و معنوی کی بھی

کوئی شکل قطع و برید وتحریف وخیانت میں یہ نام نہاد غیر مقلد اوّل رہے۔اس عبارت سے آگے یہ صاف صاف لکھا ہے کہ یہ قول امام یوسف کا ہے اور امام محمد کا قول بالکل اس کے خلاف ہے، چنانچہ اصل عبارت ملاحظہ ہو:

وَمَشَايِخُنَا رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالٰى أَخَذُوا بِقَوْلِ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنِ الْفُقَرَاءِ.

(الفتاوی الھندیۃ، الفصل الثالث فی مسائل الزکاۃ، جلد ۶، ص ۳۹۱)

ہمارے مشائخ نے امام محمد کے قول کو لیا ہے اور حیلہ مذکورہ کو جائز نہیں رکھا کیونکہ اس میں فقرا کا نقصان ہے اور قولِ محمد میں فقرا کا نفع ہے۔

گھر کی گواہی} وہابی دراصل حیلہ کا لفظ دیکھ کر احناف پر برس پڑا حالانکہ حیلۂ شرعیہ ان کے نزدیک بھی جائز ہے، چنانچہ بیمار و مریض کو حق لگانے کے متعلق عرف الجادی میں موجود ہے۔

حق آنست کہ مباشرت جملہ شافہائ عشکال ضرور نیست بلکہ یکبار بزنند و این عمل منجملہ حیل جائزہ شرعی ست و مثل آن در قرآن کریم آمدہ "فخذ بیدك ضغثا"۔

(عرف الجادی، باب در بیان حدزانی، ص ۲۱۴)

حاصلِ کلام عرف الجادی یہ ہے کہ بیمار آدمی کو تمام کوڑے علیحدہ علیحدہ مارنا ضروری نہیں بلکہ اکٹھے کر کے ایک جھاڑو کی صورت میں باندھ کر مریض کو ایک دفعہ مارلیں تو کافی ہے اور یہ حیلۂ شرعی قرآن پاک سے ثابت ہے۔

فائدہ} صاحب کو مجرم سے کتنا پیار ہے کہ نہایت پیار و اُلفت سے اس کے جسم کے ساتھ ایک جھاڑو لگالیں اور حیلہ کرلیں تاکہ شرط پوری ہو جائے۔خوب شاندار طریقہ مجرم کو بچانے کا ایجاد کیا ہے۔تم جو بھی کرو سب جائز و رَوا ہے اور ذرا اپنی کتاب 'نزل الابرار' بھی پڑھ لیں۔

و کذلك بین الاحناف الحیلة فی ادائها لهاشمی ان یعطیه لفقیر

ثم هو یهدی الی الهاشمی وهذه الحیلة لا شك فی جوازها.

(نزل الابرار من فقه النبی المختار، جلد اول، کتاب الزکوۃ، ص ۱۸۹، مطبوعه بنارس، الهند)

اور اسی طرح احناف نے ہاشمی کو زکوۃ دینے میں ایک حیلہ بیان کیا ہے، وہ یہ ہے کہ پہلے زکوۃ فقیر کو دی جائے پھر وہ فقیر اپنی طرف سے وہ رقم بطورِ ہدیہ ہاشمی کو پیش کرے۔یہ حیلہ بالکل جائز اور اس کے جواز میں کوئی شک نہیں۔

حیلۂ شرعیہ کے جواز کی تحقیق فقیر کے رسالہ "**الاقساط فی حیلة الاسقاط**" میں ملاحظہ ہو۔

سوال} عالمگیری میں لکھا ہے:

إِذَا أَصَابَتِ النَّجَاسَةُ بَعْضَ أَعْضَائِهِ وَلَحِسَهَا بِلِسَانِهِ حَتّٰى ذَهَبَ أَثَرُهَا يَطْهُرُ.

(الفتاوی الھندیۃ، الفصل الثانی فی الاعیان النجسۃ، جلد ۱، ص ۴۵)

اگر کسی عضو پر نجاست لگ جائے تو اس کو زبان سے چاٹ چوس لے یہاں تک کہ اس سے نجاست جاتی رہے تو پاک ہو جائے گی۔

جواب} وہابی غریب عالمگیری کی اس عبارت کو سمجھ ہی نہیں سکا اور یہ تاثر دیا کہ ہر قسم کی پلیدی چاٹنے سے عضو پاک ہو جاتا ہے[1] (☆) حالانکہ نجاست سے مراد شراب اور سرکہ جو مخلوط بالشراب ہو یا اس قسم کی دیگر نجاستیں ہیں اور اس دعوٰی کی دلیل یہ ہے کہ اس سے پہلے بحث ہی شراب، سرکے وغیرہ کی ہے۔

"وَمِمَّا يَتَّصِلُ بِذٰلِكَ مَسَائِلُ" اس بات کا قرینہ ہیں کہ اس نجاست سے مراد عام نجاست نہیں بلکہ شراب اور سرکہ مخلوط بالشراب ہیں۔

---

۱ لطیفہ} مولوی اشرف علی تھانوی نے بہشتی زیور میں عام پلیدی چاٹنے کا لکھا ہے، اس کے ہم ذمے دار نہیں کیونکہ وہ حنفی نہیں وہابی ہے۔

"اَلنَّجَاسَةُ" کا معرف باللام ہونا نجاست کا الف لام عہدی ہے اور اس کا معہود وہ نجاست ہے جو پہلے مذکور ہے اور وہ شراب وغیرہ ہے تو اس عبارت کی صحیح توضیح تو یہ تھی جو کردی گئی کیونکہ ہمارے فقہا کے نزدیک شراب نجس اور پلید ہے مگر چاٹنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔لوگ شراب کی بوتلیں پی جاتے ہیں، اس نجاست سے مراد پاخانہ وغیرہ نہیں جسے یہ وہابی سمجھا۔ سچ ہے:

ظن الخبیث ینشاء عن قلب الخبیث۔

خبیث گمان خبیث دل سے ہی اُٹھتا ہے۔

وہابی پیشاب نوش } غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک شراب ہی پاک نہیں بلکہ انسانی پاخانہ، پیشاب کے علاوہ ہر چیز پاک ہے، جیسا کہ نزل الابرار اور عرف الجادی میں ہے۔شراب پاک ہے، اسی طرح ہر جانور کا پیشاب پاک ہے یہاں تک کہ کتے اور خنزیر کی لعاب (تھوک) پاک ہے۔

اطمینانِ قلب وتسکین روح کے لیے حوالہ اپنے اکابر کا ملاحظہ فرمائیں:

ولو الطفل من النجاسة ثم شرب من مائع فلا ینجس المائع (الیٰ آخرہ) والدم ولو کان مسفوحا والقیح والصدید والقئی لا دلیل علی نجاستها۔

(نزل الابرار من فقه النبی المختار، جلداول، باب الانجاس، ص۵۵، مطبوعه بنارس الهند)

اگر کسی بچے نے پلیدی کھالی پھر دودھ وغیرہ پیا تو بقیہ دودھ پلید نہ ہوگا، اسی طرح خون جاری و پیپ اور قے وغیرہ اس کی نجاست پر کوئی دلیل نہیں۔

گستاخی کی سزا } پیشاب ودیگر غلیظ اور پلید چیزوں کو پاک کہنا باقاعدہ فتاویٰ جاری کرنا ان پر غضبِ خداوندی ہے اور اس بے ادبی وگستاخی کی سزا جو انہوں نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیشاب اقدس نجس اور پلید ہے۔(تفصیل دیکھیے

فقیر کی کتاب "الدلائل القاهرہ فی ان فضلات الرسول طیبة وطاهرہ"۔)

سوال } اگر بکری کا بچہ گدھی یا سورنی کا دودھ پلا کر پالا گیا تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں؟

جواب } جو فقہ اور فقاہت کے دشمن ہوں اُن کو ایسے دقیق مسائل سمجھنے سے کیا تعلق۔اس بے علم کو یہ بھی پتہ نہیں کہ حلت وحرمت، نجاست وطہارت کا حکم تشکلات پر ہوتا ہے ماہیات اور حقائق پر نہیں۔

سورنی کا دودھ حرام ہے نہ کہ بکری کے بچے کا گوشت۔کھانے والے کے سامنے بکری کا گوشت ہے سورنی کا دودھ نہیں۔اگر اس گوشت کو اس لیے حرام کہا جائے کہ اس جانور نے سورنی کا دودھ پیا تھا تو مجھے پھر یہ بتائیں کہ غلاظت کے ڈھیر کھیتوں میں ڈالے جاتے ہیں۔مولی، پالک، گوبھی، آلو، شلغم، گاجر وغیرہ تمام چیزیں اس کھیت میں پیدا ہوتی ہیں تو کیا یہ تمام چیزیں پلید اور حرام ہیں، ہرگز ہرگز نہیں کیونکہ غلاظت کا وہ تشکل باقی نہ رہا جس پر نجاست کا حکم تھا۔جبکہ نزل الابرار میں ہے:

فالملح الذی کان حمارا او خنزیرا طاهر یحل اکله۔

(نزل الابرار من فقه النبی المختار، جلداول، باب الانجاس، ص ۵۰، مطبوعه بنارس، الهند)

وہ گدھا اور خنزیر جو نمک کی کان میں نمک بن جائیں ان کا کھانا حلال ہے۔

ایک اور حوالہ بھی سن لیں:

ولو سقی مایو کل لحمه خمرا فذبح من ساعته حل اکله۔

(نزل الابرار، ص ۹۳)

اگر کسی حلال جانور کو شراب پلائی گئی اور اس کو فوراً ذبح کر دیا تو اس کا کھانا حلال ہے۔

کیونکہ اُصولِ فقہ کا ضابطہ ہے کہ شئے کی حقیقت کی تبدیلی کے احکام بدل جاتے ہیں لیکن ان غریبوں کو اُصولِ فقہ کا کیا علم؟ چند اُردو تراجم پڑھ کر خود کو مجتہد سمجھتے ہیں۔

سوال} اگر آدمی کا پسینہ یا ناک کی رینٹ شوربے میں گر پڑے تو اُس شوربے کا کھانا حلال ہے۔

الجواب} غیر مقلد وہابیوں کو اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے تھا کیونکہ ان کے نزدیک سوائے تین چیزوں کے انسان کا پاخانہ، پیشاب، دَمِ حیض ہر چیز پاک ہے، جیسا کہ ہم پہلے حوالہ جات نقل کر چکے ہیں۔ مذکورہ بالا چیزوں کو تو کسی نے بھی نجس نہیں کہا، اگر کہا ہے تو حوالہ پیش کریں۔

کتے اور خنزیز کا جھوٹا ہی پاک نہیں بلکہ پیشاب و پاخانہ بھی پاک ہے۔ (نزل الابرار، ص ۵۰و۵۵)

اگر خود ایسے فتاویٰ جاری کریں تو ان سے کون پوچھے کہ جب پاخانہ و پیشاب وہ بھی خنزیر کا پاک ہے تو پھر تمہارے ہاں پلیدی کس چیز کا نام ہے۔

سوال} ایک شخص کے پاس ایک بورہ ہے جس میں ایسے درہم ہیں جن پر قرآنِ پاک کی آیت لکھی ہوئی ہے یا اس میں فقہ وتفسیر کی کتابیں یا مصحفِ مجید ہے اور وہ شخص اس بورے پر بیٹھا یا سویا ہے، پس اگر بقصدِ حفاظت اس نے ایسا کیا تو خیر کچھ ڈر نہیں۔ (عالمگیری)

جواب} فقہائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے ایسا نورِ فراست دیا تھا کہ آئندہ آنے والے سوالات کے جوابات بھی وہ خود ہی تحریر فرما گئے۔ اگر کسی اندھے نجدی کو نظر نہ آئیں یا جاہل وہابی کو سمجھ نہ آئیں تو یہ ان کی فہم کا قصور ہے۔

عبارتِ مذکورہ بالا میں یہ عبارت بقصدِ حفاظت اسی سوال کا جواب ہے، اگر قرآنِ کریم کی حفاظت اسی ایک صورت میں ہی ممکن ہو کہ بورے کے اوپر بیٹھ جائے یا سو جائے تو جائز ہے کیونکہ اب اس کی نیت قرآنِ مجید کی حفاظت مطلوب ہے کہ سوائے اس صورت کے اس کی حفاظت ممکن نہیں، شئے کے وجود کو باقی رکھنے کے لیے اگر اس کی تعظیم وتکریم نہ ہو سکے تو کون سا حرج ہے، پھر یہاں بیٹھنا بھی بالعرض ہے کیونکہ بیٹھنا دو وجہ ہے:

(۱) بالذات (۲) بالعرض

بقصدِ حفاظت بیٹھنے اور سونے کا تعلق قرآنِ پاک سے بالعرض ہے اور بالذات بورے سے۔ کیونکہ صاف صاف واضح موجود ہے کہ ایک شخص کے پاس ایک بورہ ہے تو اصل اور بالذات وہ شخص بورے پر بیٹھا ہے نہ کہ قرآن کریم اور مقصد و ارادہ کا تعلق بالذات سے ہوتا ہے بالعرض سے نہیں۔ اسی طرح جرمِ عذاب کا تعلق بھی بالذات سے ہوتا ہے، بالعرض سے نہیں۔ کسی فقیہہ نے بھی بالذات بیٹھنے کو جائز نہیں کہا بلکہ کفر تک لکھا ہے۔ اسی فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ قرآن پاک پر پاؤں رکھنا کفر ہے۔

رَجُلٌ وَضَعَ رِجْلَهُ عَلَى الْمُصْحَفِ إِنْ كَانَ عَلَى وَجْهِ الِاسْتِخْفَافِ يَكْفُرُ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ، الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلۃ والمصحف، جلد ۵، ص ۳۲۲)

اگر کسی نے قرآنِ پاک پر از روئے استخفاف پاؤں رکھا تو کافر ہو جائے گا۔

ایک مثال} یہ مسئلہ اسی طرح ہے کہ قرآنِ مجید مکان کے اندر رکھا ہے اور ہم مکان کے اوپر کام کرتے ہیں۔ مستری، مزدور سارا دن چھت پر رہتے ہیں، اس سے انہیں یہ کوئی نہیں کہتا کہ وہ قرآن کی بے ادبی کر رہے ہیں بلکہ سب کو معلوم ہے کہ اس وقت بالذات مقصد تعمیر مکان یا کوئی اور کام ہے، نہ کہ قرآنِ مجید کی بے ادبی و گستاخی۔

چھلنی بولے تو کیوں} احناف کو قرآنِ مجید کی بے ادبی کا الزام لگانے والے اب خود ان کا پردہ عام چورا ہے پر چاک ہو گیا ہے اور احناف کا قرآنِ مجید کا ادب وعشق کا چرچا عام ہو رہا ہے، وہ اس لیے کہ آئے دن اخبار میں خبریں آتی ہیں کہ فلاں مقام پر قرآن جلایا گیا اور عوام نے جلانے والے کی مٹی پلید کر دی، خوب مرمت کی بلکہ اسے سنگسار کر کے مار ڈالا۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن جلانے والے وہابی، دیوبندی، مودودی فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں اور جلانے والے عوام بریلوی حنفی مسلک سے۔ علاوہ ازیں حجاج کرام و زائرین مدینہ منورہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہیں کہ نجدی وہابی قرآنِ مجید سے کتنا بُرا سلوک کرتے ہیں، ان میں بعض ایسے بدمزاج ہوتے ہیں کہ پاؤں سے قرآن مجید کو روندتے نظر آتے ہیں اور قرآن مجید کی طرف پاؤں پھیلانا، قرآن مجید کی طرف پیٹھ

کر کے بیٹھنا اور نیچے رکھ دینا تو ان کا عام شیوہ ہے، فلہٰذا ان کا یہ الزام احناف پر لگانا محض ضد اور فتنہ وفساد پر مبنی ہے۔ہاں ان کا فتاویٰ بھی ملاحظہ ہو

قرآن پاک کو (استغفر اللہ) گندگی میں پھینکنا، اس پر بیٹھنا، پاؤں کے نیچے رکھ کر بلند جگہ سے کھانا اُتارنا درست وجائز ہے۔(کتاب تحریق اوراق) نقل از اشتہار قہر سلطانی۔

لطیفہ} ان کے مفتیوں کے فتوی پر ان کے عوام نے عمل کیا تو احناف کے عوام نے عشق کے مفتی پر۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

گستاخی کس چیز کا نام ہے؟

{مصنف}

فیض ملت، آفتاب اہلسنّت، امام المناظرین، رئیس المصنفین

حضرت علامہ الحافظ مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ العالی

(باہتمام)

حضرت علامہ مولانا حمزہ علی قادری

(ناشر)

عطاری پبلشرز (مدینۃ المرشد) کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمد اللہ العلی العزیز الکریم ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم الرحیم

وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

عوام بلکہ بہت بڑے سمجھدار لوگ سمجھتے ہیں کہ گستاخی شاید گالی دینے یا کسی کو کوئی عیب لگانے یا اسکی تحقیر وتوہین کے الفاظ کا نام ہے۔ فقیر امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عربی رسالہ 'تنزیہ الانبیاء عن تسفیہ الاغبیاء' کی مدد سے یہ مختصر تحریر پیش کرر ہا ہے کہ گستاخی کی ایک اور قسم بھی ہے وہ یہ کہ ملائکہ وانبیاء کرام بالخصوص رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے ایسے کلمات بولنا یا آپ کی نسبت اقدس کو کسی حقیر وقبیح شے سے تشبیہ دینا بھی گستاخی ہے اور یہ عوام بلکہ بہت سے خود کو علماء کہلوانے والے کہہ گذرتے ہیں پھر انہیں اس پر آگاہ کیا جائے تو تاویلیں گھڑنے لگتے ہیں۔

مثلاً مولوی اشرف علی تھانوی نے حضور علیہ السلام کے علم کو پاگلوں سے تشبیہ دی اور مولوی اسماعیل دہلوی نے چوڑھے چمار تک پہنچادیا مولوی گنگوہی وانبیٹھوی نے نبی علیہ السلام کے علم سے گھٹادیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محفل میلاد کو کنہیا کے جنم کے مشابہ لکھ دیا (براہین قاطعہ) ابو الاعلیٰ مودودی ان سے بازی لے گیا کہ کبھی حضور علیہ السلام کو چرواہا لکھ دیا کہیں موسیٰ علیہ السلام کو ملنگ کہہ دیا (پردہ کتاب) اور اس نے بھی بار ہا محفل میلاد کو کنہیا کے جنم سے تشبیہ دی اور یہاں تک کہہ دیا کہ اس دن کو دیوالی ودسہرہ کی شکل دے دی گئی ہے اور عین میلاد کے دن لاہور میں شیطان کا علم بلند کیا گیا (معاذ اللہ) نوائے وقت لاہور

ان عبارات کی وجہ سے اہلسنّت بریلوی وہابی دیوبندی اور مودودی سے متنفر ہیں۔ انہیں عبارات کی وجہ سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے فتوائے کفر صادر فرمایا جس پر علمائے عرب وعجم نے آپ کے فتویٰ کی تصدیق وتوثیق فرمائی جس کی تفصیل 'حسام الحرمین' اور 'الصوارم الہندیہ' میں ہے۔ فقیر اس رسالہ میں امام جلال الدین علیہ الرحمۃ کے رسالہ کی تلخیص مع اعتراضات عوام کو خود فیصل بناتا ہے کہ جو فتویٰ صدیوں پہلے امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرما گئے وہی آج امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ لکھ رہے ہیں بلکہ صاحبِ روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک شعر لکھنے پر گستاخ لکھ دیا تفصیل آتی ہے۔

بکریاں چَرانا

حضرت سلیمان علیہ السلام زنبیل تیار کر کے زندگی بسر فرماتے اگر چہ بہت بڑی سلطنت کے مالک تھے لیکن بیت المال سے کچھ نہیں لیا کرتے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور موسیٰ وشعیب علیہم السلام نے بکریاں چَرائیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نبوت کے اعلان سے پہلے بکریاں چرانے کو اختیار فرمایا تھا۔

حدیث شریف...... ہر نبی علیہ السلام نے بکریاں چَرائیں۔

نکتہ...... بکریاں چرانے میں حکمت یہ ہے کہ انسان کو بکریوں سے رافت ورحمت قلبی نصیب ہوتی ہے اسلئے کہ بکریاں تمام جانوروں سے ضعیف جانور ہیں۔ اسی لئے ان کی نگرانی قلب پر رافت ورحمت ہوتی ہے۔ جب خلقِ خدا سے واسطہ پڑے گا تو طبیعت کی تیزی اور ظلم وشدت کا مادہ پہلے سے لطف وکرم اور رافت ورحمت سے بدل چکا ہوگا اور اس کی فطرت حدِ اعتدال میں رہے گی اور کسی پر ظلم وشدت اور ناجائز سختی نہ کر سکے گا۔ باوجودیکہ بکریاں چرانا انبیاء علیہم السلام کا پیشہ ہے لیکن انہیں چرواہا کہنا گستاخی ہے۔ چنانچہ روح البیان میں ہے کہ اگر کوئی کسی دوسرے کو بکریوں کا چرواہا کہہ کر عار دِلائے تو وہ جواب میں کہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی بکریاں چراتے تھے۔ ایسے جواب دینے والے کو سزا دی جائے، اس لئے کہ بکریاں چرانا انبیاء علیہم السلام کیلئے کمال تھا۔ لیکن دوسروں کیلئے تحقیر اور تحقیقی امر میں تشبیہ دینا نبوت کی گستاخی ہے۔

قاعدہ ردّ وہابیہ

ہر وہ امر جو نبوت کیلئے کمال لیکن دوسرے کیلئے موجبِ حقارت ہو تو وہ لفظ نبی علیہ السلام کیلئے استعمال کرنا حرام ہے۔ مثلاً کوئی کسی سے کہے اے اُمّی (اَن پڑھ) وہ اسے جواب دے کہ کیا حضور علیہ السلام اُمّی (اَن پڑھ) نہیں تھے۔ ایسے شخص کو سزا دی جائے۔ (کذا فی انسان العیون)

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ سلطان سلیم اوّل از خاقان عثمانیہ کے مندرجہ ذیل اشعار مبنی بر ترک ادب ہیں:۔

یک گدا بود سلیمان بعصا و زنبیل — یافت از لطف تو آں حشمت ملک آرائے

مصطفیٰ بود یتیمی زعرب پست درت — وادش انعام تو تاج شرف بالائے

اگر گداگر سلیمان علیہ السلام عصا و زنبیل سے تیرے لطف سے وہ حشمت ملک آراء پایا۔

مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یتیم تھے عرب جیسے پست ملک میں پیدا ہوئے۔

انہیں تو نے تاجِ شرف و بزرگی کا انعام بخشا۔

درسِ عبرت...... سلطان سلیم مرحوم نے سلیمان علیہ السلام کو گداگر اور حضور علیہ السلام کو یتیم کہا تو صاحبِ روح البیان نے اسے گستاخی لکھا باوجودیکہ یہ دونوں الفاظ ان حضرات علیہم السلام کی صفت واقعی تھی اور وہ بھی بارگاہِ حق کیلئے انہیں گداگر و یتیم کہا لیکن سلطان مرحوم کو معاف نہ کیا گیا بلکہ ان کے یہ الفاظ گستاخی میں شامل کئے گئے۔ بادشاہ کی نیت گستاخی کی نہ تھی اور نہ خلاف واقعہ کہا لیکن گستاخوں میں شمار ہوئے۔ جو لوگ اس سے بڑھ کر عمداً گستاخیوں کا ارتکاب کرتے ہیں ان کا کیا حال ہونا چاہئے۔ وہی ان کا حال ہے جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حسام الحرمین میں بیان فرمایا۔

فافهم وتدبر ولا تكن من الوهابيين

اسی قاعدے پر ہمارے اور نجدیوں وہابیوں دیوبندیوں مودودیوں کے جھگڑے کی بنیاد ہے۔ ان کی کتابوں میں نبوت کی گستاخی جی بھر کر کی گئی ہے۔ مثلاً نبی علیہ السلام کو چوڑھے چمار سے تشبیہ دینا، نماز میں ان کے تصور کو گدھے اور اپنی بی بی کے جماع سے بدتر اور ان کے علم مبارک کو پاگلوں حیوانوں سے تشبیہ دینا، شیطان اور ملک الموت کے علم کو حضور علیہ السلام کے علم سے زائد بتانا اور ان کے میلاد کی مجلس کو کنہیا کے جنم سے تشبیہ دینا اور عام بشریت کے مساوی ماننا اور انہیں چرواہا، اَن پڑھ کہنا۔ ایسی دیگر ان گنت عبارات ہیں۔ فقیر نے تفصیل سے 'التحقیق الکامل فی امتیاز الحق والباطل' میں لکھ دیا ہے۔ حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے صرف اسی قاعدے پر ایک کتاب لکھی جس کا نام 'تنزیہ الانبیاء عن تسفیہ الاغبیاء' اس کا آغاز ہے۔

اما بعد حمد الله غافر الزلات ومقيل العثرات والصلوٰة والسلام علىٰ سيّدنا محمد الذى انزل عليه فى كتابه العزيز (افمن زين له سوء عمله فرآه حسنا فان الله يضل من يشاء ويهدى من يشاء فلا تذهب نفسك عليهم حسرات) وعلىٰ آلهٖ وصحبه النجوم النيرات

حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس رسالہ کی تصنیف کا سبب یہ ہوا کہ دو شخصوں کا جھگڑا ہوا اور آپس میں خوب گالی گلوچ بکیں۔ بالآخر ایک نے دوسرے کے نسب پر حملہ کیا تو دوسرے نے کہا اے چرواہے کے بچے۔ اس کے باپ نے کہا کیا یہ نسبت صرف میری ہے؟ کیا حضرات انبیاء علیہم السلام چرواہے نہیں تھے بلکہ کوئی بھی نبی علیہ السلام ایسا نہیں ہوگا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ یہ واقعہ جامع مسجد طولونی کے قریب بازار غزل میں عوام کے مجمع میں ہوا۔ ان کا مقدمہ حکام وقت کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ جب قاضی القضاۃ مالکی کو معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ لو دفع الی الضرتبه بالسياط یعنی اگر یہ مقدمہ میرے ہاں پیش ہوتا تو قائل کو دُرے لگواتا۔ مجھ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو میں نے جواب دیا کہ ایسے شخص کو سزا دی جائے کیونکہ انبیاء علیہم السلام اس لائق نہیں کہ کسی ایک عام آدمی سے ان کی مثال دی جائے۔ میرے مرتب فتویٰ کو دیکھ کر ایک شخص بول اٹھا کہ علامہ (سیوطی) کا یہ فتویٰ غلط ہے کیونکہ ایسے شخص کو نہ تعزیر ہے اور نہ ہی اس پر کوئی ملامت ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی ایک عام آدمی سے تشبیہ دینا ایک مباح امر ہے۔ لہٰذا اس کا قائل نہ گنہگار ہے اور نہ اسے گناہ کی طرف منسوب کیا جائے۔ مجھے اس کا خطرہ محسوس ہوا کہ عوام کالانعام کو جب ایسے کلام کے جواز کا علم ہوا تو وہ اپنے عام جھگڑوں میں ایسی گستاخیاں کر دیں گے پھر وہ ان کی عام عادت بن جائے گی جس کی سے وہ دین سے خارج ہو جائیں گے۔ صرف دین کی خیر خواہی اور مسلمانوں کی رہبری کو مدنظر رکھ کر یہ چند سطور لکھ دیں۔

سب سے پہلے قاضی عیاض کا وہ بیان لکھ دوں جو انہوں نے اس مسئلہ میں تحریر فرمایا جو نہایت ہی شاندار بیان ہے اور حق یہ ہے کہ بہت ہی خوب لکھا ہے کما قال ابوجه الخامس الخ

(۱) نبی علیہ السلام کی شان کی کمی کا ارادہ نہ ہو۔ (۲) ان کا کوئی عیب نہ بیان کیا جائے۔ (۳) انہیں گالی نہ دی جائے۔

شریعت میں مندرجہ صورتیں بھی انبیاء علیہم السلام کے معاملات کو اپنے اوپر چسپاں کرنا حرام ہے۔

مثلاً (۱) انبیاء علیہم السلام کے بعض اوصاف بیان کر کے مثال کے طور پر اپنے لئے حجت یا دوسرے کیلئے حجت بنائے جبکہ وہ امور انبیاء علیہم السلام نے بحیثیت دینی اُمور کے اظہار کیلئے کیے یا ان کی اسی طرح تکمیل ضروری تھی۔

(۲) کسی کام کو انہوں نے کسر نفسی کے طور پر کیا۔

(۳) یا کسی مقصد اسلامی کے پیش نظر اپنے آپ کو بلند و ارفع ظاہر فرمایا حالانکہ دوسروں کو جائز نہیں۔ اسی طرح مثلاً کوئی کہے کیا ہوا میرے حق میں ایسا ویسا کہا گیا۔ نبی علیہ السلام کو بھی تو کہا گیا تھا۔

(٤) یا یوں کہے کہ اگر میری تکذیب ہوئی تو کوئی بات نہیں انبیاء علیہم السلام کی بھی تو تکذیب ہوئی تھی۔

(٥) یا یوں بکواس کرے کہ میں نے گناہ کر لیا تو کیا حرج ہے جبکہ انبیاء علیہم السلام نے بھی تو گناہ کیے تھے۔

(٦) یایوں کہے کہ میں لوگوں کی مذمت سے کب بچ سکتا ہوں جبکہ انبیاء علیہم السلام بھی نہ بچ سکے۔

(٧) یایوں کہے کہ میں فلاں مصیبت سے صبر کر رہا ہوں جیسے اولوالعزم پیغمبروں علیہم السلام نے صبر کیا۔

(٨) یا کہے کہ ایسے صبر کرتا ہوں جیسے حضرت ایوب علیہ السلام نے صبر کیا۔

(٩) یا کہے کہ میرا صبر کرنا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرح صبر کرنا ہے انہوں نے بھی دشمنوں کی دشمنی پر صبر کیا تھا بلکہ اس سے کچھ زیادہ حوصلہ فرمایا جیسے میں حوصلہ کر رہا ہوں۔ متنبی کا شعر ہے۔

انا فی امة تدار کھا اللّٰہ غریب کصالح فی ثمود

میں ایسی قوم میں غریب ہوں اللہ تعالیٰ انہیں اچھا کرے جیسے حضرت صالح علیہ السلام ثمود میں غریب تھے۔

جیسے مصری شاعر کا قول ہے کہ

کنت موسیٰ وزوجة بنت شعیب ...... غیر ان لیس فیکما من فقیر

میں موسیٰ اور ان کی زوجہ بنت شعیب ہوں سوائے اس کے کہ تم دونوں میں کوئی فقیر نہیں۔

اور جیسے حسان مصیصی کا قول ہے

کان ابا بکر ابوبکر الرضا ...... وحسان حسان وانت محمد ﷺ

گویا ابوبکر ابوبکر رضا ہے اور حسان حسان ہے اور تم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہو۔

شاعر حسان مصیصی نے یہ شعر بادشاہ محمد بن عباد المعروف معتمد اور اس کے وزیر ابوبکر بن زیدون کے حق میں لکھا ہے اور یہ حسان شاعر شعرائے اندلس سے ہے اس شعر میں گستاخی یہ کی ہے کہ خود حضرت حسان شاعر رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور وزیر کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بادشاہ کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہا ہے۔

اس جیسی بہت سی مثالیں ہیں اور ہم نے کثرت شواہد درج کئے ہیں حالانکہ ایسی مثالیں لکھنا ہمیں سخت ناگوار ہے تا کہ لوگوں کو ایسی گستاخیوں کا علم ہو کیونکہ عوام بلکہ بہت سے پڑھے لکھے لوگ ایسی سخت باتوں سے احتراز نہیں کرتے بلکہ ان کے ارتکاب کو معمولی بات سمجھتے اور اسے کوئی عیب بھی نہیں سمجھتے یہ ان کی کم علمی اور بیوقوفی کا نتیجہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کیلئے فرمایا:

ویحسبونہ هینا وهو عند اللہ عظیم

اور وہ اسے آسان اور معمولی بات سمجھتے ہیں حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا امر ہے۔

فائدہ...... یہ جملہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشوں کیلئے فرمایا اور وہ بہتان تراش منافق تھے اور یہ منافقوں کا کام ہے کہ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق اور آپ کے خاندان کیلئے بے ادبی کو معمولی بات سمجھتے ہیں۔ ہمارے دور میں اس قسم کے لوگوں کی کمی نہیں اور وہ خود ہی سوچ لیں کہ نبوت و اہل بیت کے بارے میں جو کچھ کہہ رہے ہیں یا لکھ رہے ہیں وہ اس سے دین کی خدمت کر رہے ہیں یا اپنا بیڑہ غرق کر رہے ہیں۔

انتباہ......بعض شعرے اس طرح کی جرأت عام ہے بلکہ کچھ اس معاملہ میں سخت زبان واقع ہوئے ہیں انہیں میں ابن ہانی اندلسی و ابن سلیمان المصر ی اور ہمارے دور میں حالی وغیرہ۔ جیسے اس نے شعر ذیل میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایلچی کہا ہے (معاذ اللہ) یہاں ہمیں ان سے بحث نہیں ہمارا مقصد اس وقت یہ ہے کہ مثالیں دے کر سمجھائیں کہ ایسی باتیں کہ جن میں صراحۃً گالی نہ ہوں لیکن ان میں بے ادبی و گستاخی اور ان کا نقص و عیب کا اظہار ہو رہا ہو تو ان میں خصوصیت سے بچنے کا اہتمام ہو۔

مانا کہ شعرائے مذکورہ یعنی ابن ہانی اندلسی اور ابن سلیمان المصر ی یونہی حالی وغیرہ کا ارادہٗ گستاخی نہ ہوگا لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے نبوت کی عزت و احترام نہیں کیا اور نہ ہی رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا خیال رکھا۔ اور نبوت و رسالت کیلئے ضروری ہے کہ جو اسے اللہ تعالیٰ نے شان بخشی ہے اس سے کسی ادنیٰ و حقیر تشبیہ نہ دی جائے جیسے اشرف علی تھانوی نے حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم مبارک کو پاگلوں جانوروں وغیرہ سے دی ہے اور نہ ہی اس کی شان اعلیٰ کو کسی طریق سے کم بیان کیا جائے جیسے رشید احمد گنگوہی اور انبیٹھو ی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم اقدس کو شیطان اور ملک الموت سے گھٹا دیا۔ یونہی رسالت و نبوت کی شان کو کسی کی خوشامد پر اس کے مشابہ ظاہر کیا جائے جیسے حسان مصیصی نے اپنے بادشاہ کو حضور علیہ السلام کے مشابہ ظاہر کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کیلئے بہت سخت تاکید فرمائی ہے یہاں تک کہ آپ کے حضور اونچا بولنے سے بھی سختی سے منع فرمایا ہے۔

مسئلہ...... مذکورہ صورتوں میں اگرچہ ان لوگوں کو قتل نہ کیا جائے گا۔ لیکن کم از کم اتنی سخت سزا تو ضرور ہو تا کہ آنے والی نسلیں ایسی غلطی کا ارتکاب نہ کریں۔

حکایت

ابونواس بہت بڑا مشہور شاعر ہے اس نے ہارون الرشید خلیفہ عباسی مرحوم کے سامنے یہ شعر پڑھا ؎

فان يك باقي سحر فرعون فيكم ...... فان عصا موسیٰ بكف خصيب

اگر تمہارے میں فرعون کا جادو باقی ہے تو ہمارے ہاں بھی عصائے موسیٰ علیہ السلام موجود ہے۔

اس شعر کی وجہ سے حضرت ہارون الرشید مرحوم نے ابونواس سے کہا اے بد بخت تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے ٹھٹھا مخول کرتا ہے نکل جا میری محفل سے۔ چنانچہ اسے فوراً خلیفہ عباسی کی محفل سے نکلنا پڑا۔

درسِ عبرت...... عصائے موسیٰ علیہ السلام کے بے ادب کی یہ سزا۔ اللہ اللہ!!!

تبصرۂ اُویسی غفرلہٗ...... کاش آج بھی کوئی ایسا سربراہ مملکت ہمیں نصیب ہوتا جو عصائے موسیٰ کی بے ادبی گوارہ نہیں کرتا پھر اس گستاخ و بے ادب سے کیا کرتا جو کھلے بندوں امام الانبیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی گستاخی اور بے ادبی کو اپنا مشغلہ سمجھتا ہے۔

فتویٰ

ہم اس بحث میں اپنے فتویٰ کے بجائے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتویٰ کو کافی سمجھتے ہیں طوالت سے بچ کر ان کا قول پیش کرتے ہیں انہوں نے بھی ہارون الرشید مرحوم کی طرح ایسے محروم القسمت لوگوں کیلئے سخت سزا کا حکم صادر فرمایا ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا یہ بھی عجوبہ روزگار ہے کہ جب امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں یہ مقدمہ پیش ہوا کہ کسی نے آپ سے عرض کی کہ ایک شخص نے مجھے فقر و تنگدستی پر عار دلائی تو میں نے اسے کہا کہ یہ کون سی بری بات ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی فقر و فاقہ سے بکریاں چرائی تھیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اسے سزا دی جائے، اس لئے کہ اس نے یہ بے محل جملہ استعمال کیا ہے۔

فائدہ...... یہ بہت ناموزوں اور نامناسب ہے کہ غلط کار لوگوں کو جب کہا جائے کہ یہ تمہارا کام مبنی بر خطاء ہے تو وہ جواب میں کہیں کہ کیا انبیاء علیہم السلام سے خطا نہیں ہوئی تھی (معاذ اللہ) حالانکہ جنہیں یہ لوگ خطائے انبیاء علیہم السلام سمجھتے ہیں وہ خطائیں نہیں بلکہ حکمتیں و اسرار تھے جیسا کہ عصمۃ الانبیاء کے عقیدہ کا اصول ہے۔

حکایت

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کسی سے فرمایا کہ کوئی ایسا کاتب تلاش کرو جس کا باپ عربی (مسلمان) ہو۔ اس نے کہا کہ کیا حضور علیہ السلام کا والد کافر نہ تھا (معاذ اللہ) یہ اس کا گمان تھا ورنہ تحقیق سے ثابت ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدگرامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مؤمن موحد تھے تفصیل دیکھئے فقیر کی کتاب 'ابوین مصطفیٰ'۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا تجھے یہی جواب دینا تھا۔ آپ نے اس شخص کو ملازمت سے سبکدوش کر کے فرمایا ہمیشہ کیلئے تو ہمارے کسی دفتر میں ملازمت نہ کر سکے گا۔

مسئلہ...... امام سحنون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تعجب کے وقت درود وسلام نہ پڑھا جائے۔ حالانکہ حصول ثواب کی خاطر پڑھا جا سکتا ہے تعظیم وتوقیر مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہی تقاضا ہے۔

فائدہ...... امام قابلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جب کسی ایسے شخص کیلئے کہا جائے کہ جس کا چہرہ قبیح ہو وہ گویا منکر نکیر ہے یا جو شخص ترش روا سے کہا جائے یہ مالک (خازن) نار ہے تو ایسے شخص کو سخت سزا دی جائے۔ اگر فرشتے کیلئے گستاخی کی نیت سے کہا ہے تو اسے قتل کیا جائے۔

تبصرۂ اُویسی غفرلہٗ...... ہمارے دور میں یہ بیماری عام ہے کہ کوئی کسی کا پیچھا نہ چھوڑے تو اس کیلئے کہتا ہے کہ فلاں میرا منکر نکیر ہے اور سی آئی ڈی والوں کیلئے عام محاورہ کر دیا گیا ہے کہ منکر نکیر ہیں (معاذ اللہ) یونہی کوئی کسی کا قرضخواہ یا کسی سے کوئی مطالبہ ہو وہ اسے ملے تو کہتا ہے ملک الموت یا عزرائیل آ گیا وغیرہ وغیرہ۔ بطور استہزاء وتحقیر تو کفر ہے ہی ویسے عادۃً کہنے پر بھی سخت سزا ہے لیکن سزا کون دے۔ (لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا)

حکایت

ایک نوجوان نیک خصال لیکن شرعیہ سے ناواقف نے کسی کو کوئی بات کی تو اس نے اسے کہا کہ تو امّی ان پڑھ ہے فلہٰذا خاموش رہ۔

نوجوان مذکورہ نے کہا کہ میں امی (ان پڑھ) ہوں تو کیا ہوا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امی نہیں تھے۔

اس نوجوان کی اس مقولہ کی وجہ سے سخت مذمت ہوئی بلکہ بہت سے لوگوں نے انہیں کافر تک کہہ دیا۔ اس سے وہ نوجوان سخت پریشان ہوا اور اپنی بات سے سخت نادم ہوا بلکہ اپنی ندامت کا اظہار بار بار کیا۔

فائدہ...... امام ابوالحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ایسے کو کافر تو نہیں کہنا چاہئے بلکہ اس پر کفر کا فتویٰ خطا ہے ہاں وہ نوجوان اس مقولہ سے خطا کار ضرور ہے کہ اس کے اپنے ان پڑھ ہونے پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استشہاد کیا یہ غلطی ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امّی ہونا یہ معجزۂ الٰہی ہے۔

حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نقص کے طور یا بے خبر و جاہل سمجھ کر ہی کہنا خطاء ہے اور یہ بھی جہالت ہے کہ آپ کی ایسی صفت سے اپنے لئے حجت پکڑنا۔ ہاں اس نوجوان (مذکور) نے اپنے قول سے استغفار اور توبہ کی بلکہ اپنی غلطی کا نہ صرف اعتراف کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑایا اور عاجزی والحاح کیا اسی لئے اسے معاف کیا جائے اسکی حد مثل نہ ہوگی ہاں اسے سزا دی جاسکتی تھی لیکن اس کی ندامت سے اس کی یہ سزا بھی معاف ہوئی اسی لئے اسے ہر طرح کی سزا سے معاف کیا جائے گا۔

حکایت

حضرت قاضی ابو محمد ابن منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں فتویٰ پوچھا گیا جس پر کسی نے تنقیص کی۔ اس نے جواباً کہا کہ بھائی تم میرا نقص بیان کر رہے ہو اس میں حرج ہی کیا ہے کہ میں ایک بشر ہوں اور ہر بشر سے کمی ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی تو بشر تھے اور آپ سے بھی کمی کا احتمال رہتا تھا (معاذ اللہ) مفتی صاحب موصوف نے ایسے شخص کیلئے فتویٰ دیا کہ اسے بہت بڑے عرصہ تک قید اور جیل میں قیدی رکھا جائے۔ بلکہ اسے سخت سزا دی جائے تاکہ آئندہ کوئی ایسی جرأت نہ کرے یہ اس وقت ہے جبکہ اس سے اس کا سبب یعنی تحقیر و توہین کا ارادہ نہ ہو ورنہ اسے قتل کر دیا جائے بلکہ اندلس کے بعض علماء نے ایسے شخص کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے خواہ اس کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔ اس کی تفصیل رسالہ 'گستاخ کا قتل' میں ہے۔ مذکورہ بالا تقریر حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شفاء شریف میں بیان فرمائی ہے۔

انتباہ...... امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی انتباہات پر غور فرمایئے کہ انہوں نے شفاء شریف کے فصل اوّل میں کیسی وضاحت فرمائی ہے مثلاً فرمایا کہ کسی مثال کو کسی پر چسپاں کیا جائے اور کسی شے کو اپنے اور غیر کیلئے حجت بنایا جائے اور فرمایا کہ وہ مثال صرف مثل کے طور پر بیان کیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے لیکن اگر اسے حجت کے طور لایا جائے تو اس کا کیا حکم ہے اور حجت کے طور شے کو بیان کرنے والا وہی اسی سے استدلال کرنے والا ہوتا ہے اور استدلال کرنے والے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ خصومات میں اسے پیش اور اپنے اوپر الزام سے بری ہو جائے۔

پھر قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب لکھا کہ کسی اعلیٰ ذات کے صفات ذکر کرنا دو طرح ہیں ایک صفات کا محض ذکر دوسرا اسے استشہاد کے طور پر پیش کرنا اور استشہاد بھی استدلال ہے یونہی قاضی صاحب علیہ الرحمۃ نے آخر فصل میں یہ خوب فرمایا کہ ایسے لوگ خطا کار تو ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صفات احوال کو بطور استشہاد پیش کرتے ہیں لیکن کافر نہیں وغیرہ وغیرہ۔

یونہی کسی کا رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کسی صفت پر احتجاج جہالت تو ہے لیکن کفر نہیں ایسے جملہ مقامات میں تصریح ہے کہ ان سے اپنے بچانے کیلئے استدلال کرنا سخت خطاء ہے اور ایسے لوگوں کو سخت سزا دینا ضروری ہے۔

میں نے انتباہات اس لئے کئے ہیں کہ میں نے ایسے شخص کو مستدل سے تعبیر کیا تو بعض لوگوں نے مجھ پر اعتراض کیا حالانکہ اس میں اعتراض کی گنجائش نہ تھی چونکہ مقام تدریس و افتاء و تصنیف اور اہل علم کے ہاں تقریر کیلئے استدلال کا مطلب اور ہوتا ہے اور ایسے مقامات میں اعتراض بھی نہیں ہوتا اس کی تشریح آئے گی اِن شاءَ اللہ تعالیٰ۔

جہاں مقدمات میں اور خود کو عیب و نقص سے بچانے کے استدلال کا معنی اور ہوتا ہے۔ ایسے مواقع پر ایسے استدلال پر اعتراض بھی ہے
اور سزا دینا واجب بھی ہے بالخصوص عوام میں اور عام بازاروں میں ایسے خفیف الفاظ استعمال کرنا ایسے ہی سب وقدف یعنی تحقیر اور
بہتان تراشی وغیرہ میں سزا ضروری ہے اور استدلال کرنے والے کو روکنا واجب ہے تاکہ ایسی گستاخی اور بے ادبی کا رواج
نہ ہونے پائے۔ ہر مقام کی ایک علیحدہ بات ہے اور ہر محل کا اپنا حکم ہے جو اس کے مناسب ہوتا۔ کیا تم نے قاضی عیاض علیہ الرحمۃ کا
وہ اشارہ نہیں سمجھا جو انہوں نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ بیان فرمایا کہ انہوں نے کاتب کو سزا صرف اس لئے دی کہ
اس نے اپنے باپ کے کفر پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد گرامی کے کفر سے حجت پکڑی اور استدلال کیا۔ اسی لئے تو
امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کاتب پر نہ صرف اعتراض کیا بلکہ اسے ملازمت سے سبکدوش کر دیا۔

حکایت

امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی سند سے بیان فرمایا کہ احمد بن عبداللہ بن یونس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے بعض
شیوخ سے سنا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں ایک مسلمان لایا گیا جو پرائیویٹ سیکریٹری کے طور پر آپ کے ہاں
کام کرتا تھا لیکن اس کا باپ کافر تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لانے والے کو فرمایا کہ کاش تو ایسا کاتب لاتا
جس کا باپ بھی مہاجر مسلمان ہوتا۔ وہ کاتب (پرائیویٹ سیکریٹری) بول پڑا کہ جناب میرے والد کا کفر کوئی بری بات نہیں،
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا والد عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بھی تو کافر تھے (معاذ اللہ)۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا
کیا تمہیں یہ مثال دینی تھی۔ اب نکل جا میری محفل سے اور نہ ہی مجھے تیری ملازمت کی ضرورت ہے۔

فائدہ...... اس حکایت میں یہی بات ہے کہ کاتب نے اپنے سے ایک عیب و نقص ہٹانے پر احتجاج اور استدلال کیا اور
حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر ردّ فرمایا کہ اس نے ایسی تقدس مآب ذات کو مثال میں کیوں لایا۔

حکایت

مذکورہ بالا حکایت ایک اور طریق سے یوں منقول ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلیمان بن سعد کو فرمایا کہ ہمارے ہاں فلاں حاکم کا باپ زندیق ہے۔ اس نے جواب دیا کہ کیا ہوا کیا نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد صاحب کافرنہیں تھے (معاذ اللہ) حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سن کر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تجھے نہ صرف ملازمت سے سبکدوش کیا بلکہ ہمارے کسی دفتر میں تمہیں ملازمت نہیں ملے گی۔

قاعدہ...... قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شفاء شریف کے فصل سابع میں لکھتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے کوئی امر جائز ہو یا اس کے جواز میں آپ کیلئے اختلاف ہو یا اطوار بشریہ کی وجہ بھی ہو یا جن باتوں سے آپ کا امتحان لیا گیا اور آپ نے اس پر اللہ تعالیٰ کی رضاء وخوشنودی کی وجہ سے صبر فرمایا مثلاً دشمنان اسلام کا آپ کو تکلیفیں پہنچانا یا پریشان کیا جیسا کہ ابتدائے اسلام میں آپ کے ساتھ ہوا تو ان امور میں کسی امر کا ذکر بیان کرنا جائز ہے یا نہ تو اس کے متعلق یاد رکھیں کہ بطریق روایت یا مذاکرۂ علمی اور جو عصمت انبیاء علیہم السلام کے لائق بات ہو اور ان پر اس کا اطلاق جائز بھی ہو تو یہ ہماری بحث میں داخل نہیں۔ کیونکہ یہ اس میں نہ تو اظہار نقص وعیب ہے اور نہ ہی ان کی عزت پر حملہ کرنا ہے اور نہ ہی استخفاف واستحقار کا خدشہ ہے نہ ظاہر الفاظ میں اور نہ ہی بولنے والے کا ارادہ ہے لیکن ایسی باتیں اہل علم اور وہ طلبائے اسلام جو ذی فہم ہیں کہ وہ ان مقاصد وفوائد سے باخبر ہیں بیان نہ کیا جائے جو سن کر فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔

حکایت

فقیر کے ایک شاگرد نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق وہ واقعہ وعظ وتقریر میں بیان کیا کہ چند بدّو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کچھ لینے آئے تو انہوں نے آپ کو ادھر ادھر سے کھینچا وغیرہ وغیرہ یہ واقعہ سن کر سامعین نے برا منایا بلکہ اسے آئندہ تقریر کرنے سے روک دیا۔ مجھے شکایت پہنچی تو میں نے بھی اسے زجر وتوبیخ کی اور نرمی سے اسے سمجھایا کہ عوام کے سامنے ایسے واقعات ایسے طریق سے بیان کیا جائے جس سے عوام کو اُلجھن نہ ہو۔

فائدہ...... حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شق الصدر کا واقعہ بھی عوام کے سامنے بیان کرنے کا نہیں ہاں بیان کرنا ہے تو طرز تکلم ایسا ہو کہ واقعہ سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس اُجاگر ہو۔

مسئلہ...... بعض علماء کرام نے فرمایا کہ عورتوں کو سورۂ یوسف پڑھانا مکروہ ہے یعنی اس کی تفسیر وترجمہ اور مفاہیم وغیرہ اسی لئے کہ عورتیں فطرۃً کم فہم ہوتی ہیں اور نہ ہی ان میں ایسی باتوں کے ادراک کی عموماً اہلیت وصلاحیت ہوتی ہے۔

مسئلہ...... شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے اپنے قواعد میں لکھا ہے کہ جو یہ کہتا ہے کہ حاکمِ وقت کو صغیرہ کے ارتکاب سے ملازمت سے سبکدوش کیا جائے یہ غلط ہے بلکہ کہنے والا جاہل ہے اصل مسئلہ یہ ہے کہ حاکم وقت سے صغیرہ کا ارتکاب ہو تو حکام اور قضاۃ کو لائق نہیں کہ ایسے شخص کو سزا دیں ہاں کبیرہ کا ارتکاب ہو تو اس کی تفصیل ہے جو مطولات میں مذکور ہے۔

فائدہ...... امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صاف لکھا ہے کہ معزز شخصیات پر تعزیر نہیں جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہے نیز اس لئے کہ یہ لوگ شر سے معروف نہیں انہیں غلطی گرا دے گی یعنی لوگوں کی نظروں میں گر جائیں گے اسی لئے انہیں تعزیر سے معاف رکھا جائے بعض نے اس کی تفسیریوں کی ہے کہ یہ لوگ اصحاب الصغائر ہیں اصحاب کبائر نہیں بعض نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے تو فوراً توبہ کر لیتے ہیں۔

احادیث مبارکہ

﴿ معزز شخصیات سے تعزیرات کی معافی میں بکثرت احادیث وارد ہیں ان میں سے چند احادیث ملاحظہ ہوں ﴾

☆ سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معزز شخصیت کی خطائیں معاف کرو سوائے حدود کے کہ حد شرعی کی معافی نہیں۔ (مسند احمد، الادب المفرد البخاری، ابوداؤد، نسائی)

☆ معزز شخصیت کی خطاء سے تجاوز کرو۔ (نسائی، طبرانی کبیر، ابن عدی فی الکامل)

☆ زید بن ثابت کی روایت ہے کہ معزز شخصیت کی سزا سے احتراز کرو ہاں حد شرعی ضرور جاری کرو۔ (طبرانی صغیر والاوسط)

☆ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ سخی کے گناہ سے احتراز کرو اسلئے کہ جب ڈگمگاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ پکڑتا ہے۔ (طبرانی کبیر وابونعیم فی الحلیہ)

فائدہ...... شیخ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب 'طریق المعدلہ' کی بحث 'قتل من لاوارث' میں لکھا کہ فقہاء کا کہنا کہ جس نے جسے قتل کیا وہ اس کا وارث نہیں۔ سلطان وقت کو اختیار ہے کہ وہ اس سے قصاص لے یا دیت لے کر معاف کر دے لیکن مفت کی معافی صحیح نہیں گویا انہوں نے یہ حکم غالب پر لگایا ہے کیونکہ حاکم وقت کی مرضی پر ہے کہ اگر وہ مصلحت دیکھے تو اسے مفت بھی معاف کر سکتا ہے جبکہ اس کے پاس مال بھی نہیں اور نہ ہی وہ کما سکتا ہے اور اس میں مسلمانوں کی خیر و صلاح و نفع بھی مدنظر ہے لیکن اس سے اگر جلد بازی میں ہوا ہو تو پھر اسے قتل کرنا چاہئے ہاں اگر اس نے توبہ کی اور اس کا آئندہ کا ردِّ عمل بھی صحیح ہے پھر کہنا کہ امام یعنی حاکم وقت کا معاف کرنا صحیح نہیں یہ بات بعید از قیاس ہے۔ بالخصوص جب مسلمانوں کو اس سے قصاص کی خواہش نہ ہو اس صورت میں میری رائے یہ ہے کہ اسے بھی امام (حاکم وقت) کی رائے پہ چھوڑا جائے اور حاکم وقت پر بھی لازم ہے کہ وہ حکم دے

جو مسلمانوں کی مصلحت پر مبنی ہو۔ وہ ایسا اقدام نہ کرے کہ جس میں کہا جائے کہ اس کا قتل جائز ہے اور وہ جواز بھی مسلمانوں کی مصلحت پر مبنی ہے اور اقامت دین بھی مدنظر ہے اس میں حظ نفس کو دخل نہ ہو اور نہ ہی کوئی اور دنیوی غرض ہو، اس میں اس کے خون بہانے سے رُکنا چاہئے کہ ایک نفس معصومہ کو باقی رکھنا ہے۔ اگر وہ اسے بغیر کسی ترجیح شرعی کے قتل کریگا تو یہ بھی اس میں شامل ہوگا جو کسی کو ناحق قتل کرتا ہے۔

فائدہ...... امام السبکی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جب بلا دِیت اس کا معاف کرنا جائز ہے جس میں صلاح و خیر اور مسلمانوں کا نفع ہے تو جو خطاء کسی معزز شخصیت سے صادر ہوئی ہے اس سے تعزیر کی معافی بطریق اولیٰ جائز ہے اور اس میں کسی قسم کا شک و شبہ بھی نہیں۔

درس ادب...... ابن السبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اثر شیخ میں لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بعض نصوص میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک معزز خاندان کی عورت کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا تو لوگوں نے اسے معاف کردینے کی سفارش فرمائی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر فلانہ (یعنی سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کیلئے بھی حد ثابت ہو جائے تو بھی میں قطع ید کا حکم دوں گا۔ اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بطور ادب سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نام کے بجائے فلانہ لا مراۃ شریفہ کا لفظ استعمال فرمایا یہ ان کا سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ادب کا لحاظ ہے حالانکہ ان کے والد کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا نام لیا ہے۔

درسِ عبرت...... ابن السبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کمال ادب ہے کہ ایسے مقام پہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام لینا گوارہ نہ کیا اگرچہ حدیث شریف میں نام لیا گیا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کمال تعلیم ہے کہ احکام شرع میں عوام و خواص کا کوئی امتیازی سلوک نہیں۔

فائدہ...... امام ابن سبکی کے نقل اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عمل سے ثابت ہوا کہ اصل اسلام ادب ہے اور اس کے برعکس خلافِ ادب بلکہ سوء ادب ہے۔ اسی سے یہ بھی ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے ہے کہ وہ جسے جس طرح کہیں لیکن ہمیں اس طرح کہنا قبیح ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کمال ادب ہے کہ باوجودیکہ اس حدیث سے احتجاج و استدلال کررہے ہیں اور اپنی تصنیف میں ہی اسے لکھ رہے ہیں کہ سوائے انکے کسی اور کو اس پر آگاہی نہیں لیکن پھر بھی ادب سے نام نہیں لیتے۔ تو بھی حرج نہ تھا لیکن ادب ایک اعلیٰ عمل ہے اسی کو امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنایا۔ مزید برآں حدیث شریف میں بھی لفظ لو سے ذکر ہے جو امتناع کیلئے بھی آتا ہے اور یہاں بطور بغرض محال استعمال ہوا ہے تب بھی امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام لینا گوارہ نہ فرمایا یہ کمالِ ادب ہے۔

از خدا خواہیم توفیق ادب   بے ادب محروم ماند از فضل رب

فہرست الفاظ کفریہ

☆ رویتی الیك كرؤیة ملك الموت یعنی میں تجھے ملک الموت کی طرح دیکھتا ہوں یہ عموماً اس کیلئے بولتے ہیں جو کسی کو کسی سے خوف وخطرہ ہو مثلاً قرض خواہ ہے یا کوئی اور سبب۔ احناف کے علاوہ دیگر ائمہ کا مذہب ہے کہ ایسے قول سے قائل کافر نہ ہوگا لیکن تعزیر سے نہ بچ سکے گا یعنی ایسا قول شرعاً ممنوع ہے اگر کوئی کہہ دے تو کافر تو نہ ہوگا لیکن سخت سزا دی جائے تاکہ ملائکہ کی تحقیر نہ ہو۔

☆ کوئی کلمہ قرآنی الفاظ سے اپنے مقصد کیلئے بولنا مثلاً کہا جائے جئت علی قدر یموسی اس شخص کیلئے جو اپنے وقت پر کسی جگہ پہنچے اور وہ یہ جملہ سن کر کہے 'نعم' ہاں۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں ایسا اقتباس صحیح نہیں کیونکہ قرآن کی توہین وتحقیر ہے کہ اس کے کلمات کو اپنے دُنیوی اغراض پر استعمال کیا جائے۔ یونہی انبیاء علیہم السلام کو اغراض دنیویہ پر استعمال کیا جائے۔

حضرت امام ابن حجر سے سوال ہوا کہ محافل میلاد میں بعض لوگ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جذبہ میں مختلف انداز اپناتے ہیں۔ بعض مقررین واعظین خواص وعوام کی موجودگی میں (جہاں مرد عورتیں جمع ہوتی ہیں) لچھے دار تقریریں کرتے ہیں۔ ان میں بعض باتیں تعظیم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منافی بھی سرزد ہوجاتی ہیں مثلاً رقت آمیز باتیں حکایتیں بیان کرتے ہیں جن میں عظمت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پہلو کم ہوتا ہے لیکن ان میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر شفقت از غیر کا پہلو واضح ہوتا ہے مثلاً کہتے ہیں طائف سے دائیاں آئیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یتیمی کے پیش نظر کسی دایہ نے آپ کو نہ لیا سوائے حلیمہ رضی اللہ عنہا کے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بکریاں چُراتے رہے۔ اس پر چند اشعار بھی ہیں ۔

باغنامه سارا الحبيب الى المرعىٰ ...... فيا حبذر رايح فوادى له يرعى

محبوب بکریاں لے کر چراگاہ کو چلا۔ واہ واہ چرانے والے میرا دل ہی اس کیلئے راعی ہوتا۔

خيا احسن الاغنام وهو يسوقها ...... وكثير من هذا المعنى المحل بالتعظيم

کیسی حسین وجمیل ہیں وہ بکریاں جسے وہ محبوب ہانک کر لے جاتا ہے۔

ایسے بہت معنیٰ محل قابل تعظیم ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اس میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے بکریاں چرانے والے کے ذکر آپ کی خفت وحقارت کا اظہار ہوتا ہے اگرچہ قائلین کا ارادہ ایسا نہیں اور نہ ہی انہیں ایسے پہلو کا تصور ہوتا ہے۔

الجواب

سمجھدار کو لائق ہے کہ ایسے مقام پر خبر یعنی مضمون میں مخبر یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے نقص کا تصور وخیال نہ کرے یہاں تو صرف خبر محض ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بکریاں چُراتے اس سے کب لازم آتا ہے کہ ہر بکریاں چرانے والا حقیر وفقیر ہوتا ہے بلکہ بکریاں چرانا تو انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے تفصیل کیلئے دیکھئے فقیر کا رسالہ ’ بکری کی فضیلت‘۔

اللہ تعالیٰ کی شان میں بے ادبی کا پہلو

ابن ابی الدنیا کتاب العصمت میں لکھتے ہیں کہ امام مطرف نے فرمایا کہ اللہ کی ذات کی عظمت وجلال قلوب میں ہونا ضروری ہے اسلئے یہ اللہ کے ذکر خیر میں نہ کیا جائے مثلاً کتے کو بددعاء دیتے ہوئے کہو: اللھم اخزہ اے رسوا کر یا گدھے کو کہے یا بکری کو۔

تبصرۂ اُویسی غفرلہٗ...... اس میں اللہ تعالیٰ کی رفعت شان کے سامنے یہ لائق نہیں کہ اس کے ذکر کیساتھ حقیر وخفیف اشیاء کا ذکر ہو۔

اسی لئے ہمارے فقہاء کرام کہتے ہیں: خالق الحنازیر والکلاب والقاذوات اے خزیر و کتے اور گندگیوں کو پیدا کرنے والا۔ (شرح فقہ اکبر للملا علی قاری)

حاضر و ناظر اور گندگی

بعض گندے ذہن والے سوال کرتے ہیں کہ کیا حضور علیہ السلام بیت الخلاء وغیرہ میں حاضر و ناظر ہیں۔ ہم انہیں جواب دیتے ہیں عقیدہ رکھنا اور بات ہے اسے زبان پہ لانا شے دیگر۔ ہم عقیدہ تو حاضر و ناظر کا ہر جگہ رکھیں گے لیکن تفصیل کے وقت ایسی گندی اشیاء کو زبان پہ نہ لائیں گے جیسے اللہ تعالیٰ کو خالق کل شئی مانتے ہیں لیکن تفصیل کے وقت نہ کہیں گے۔

خالق الحنازیر والکلاب والقاذوات

اس مسئلہ کی تحقیق کیلئے دیکھئے فقیر کا رسالہ 'حاضر و ناظر اور گندگی'۔

ایک گستاخی پر سوال کا جواب

حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ امام سہیلی نے حدیث نقل کی ان ابی واباک فی النار میرا باپ اور تیرا باپ دوزخ میں ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم نہ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کریمین دوزخ میں ہیں (معاذ اللہ) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زندوں کو مردوں کی وجہ سے اذیت نہ دو۔ اللہ فرماتا ہے: ان الذین یوذون اللہ ورسولہ ...... اس مسئلہ کی تحقیق وتفصیل کیلئے فقیر کی تصنیف 'ابوین مصطفیٰ' کا مطالعہ ضروری ہے۔

بکریاں چرانا

سابق دور میں بکریاں چرانا نقص وعیب نہ تھا لیکن بعد کے عرف میں یہ صفت حقارت کے کھاتہ میں آگئی اسی لئے مالاصالۃ اس میں تحقیر نہیں اسی لئے مطلقا راعی الغنم پر اعتراض نہ ہونا چاہئے کیونکہ بہت سی باتیں سابق دور میں حقیت نہیں ہوتیں لیکن زمانے کی تبدیلی سے احکام بدلتے ہیں اسی لئے زمانہ زمانہ اور شہر شہر کا فرق ہے اس پر فقہاء کرام کا کلام شاہد ہے۔ نکاح کی کفاءت میں اور مروت شہادات میں یہ مسئلہ تمام فقہ کی کتابوں میں ہے حتیٰ کہ منہاج میں لکھا ہے کہ ہمارے دور میں یہ کلمہ جو بھی بولتا ہے شتم وتنقیص کے موقعہ پر بولتا ہے مثلاً کوئی کسی کہے انت یا راعی المعزی اے بکریاں چرانے والے۔ تو اس سے تنقیص کا پہلو نکل سکتا ہے اسی لئے ایسے جملے اس نے جو کچھ کہا ہے اپنے اعتقاد کی ترجمانی کی ہے یعنی وہ یہ اعتقاد ظاہر کرتا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہوتے اور مجھے اس فیصلہ پر رجوع کا فرماتے تو بھی میں نہ مانوں گا، یہ شخص کافر ہے (معاذ اللہ) مندرجہ ذیل آیات کے خلاف بکواس کرتا ہے۔

(۱) قل اطیعو اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین o

(۲) فلا وربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینم ثم لا یجدو فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔

حکایت

اس شخص کا قصہ کہ جس کا فیصلہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن وہ آپ کے فیصلہ پر راضی نہ ہوا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا تا کہ آپ اس کا فیصلہ کریں آپ نے اسے تلوار سے قتل کر دیا یہ قصہ مشہور ہے اور اس بکواس پر اس قول سے تعجب ہے کہ کہتا ہے کہ میں نہیں مانوں گا یہاں تک کہ آپ مجھے نص دکھائیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول خود نص ہے۔ مسلمان پر تو ایسا گمان نہیں ہوسکتا شاید اس نے یہ قول من حیث الاعتقاد نہ کہا ہوگا۔

دوسرا سوال

یہ تو شدید ترین خطاء ہے بلکہ قبیح ترین ہے اور پہلے مسئلہ سے بہت زیادہ برا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی یہ کہے کہ اگر مجھے کسی نبی یا فرشتے نے گالی دی تو میں بھی اسے گالی دوں گا۔

الجـــــــواب

ابن رشد وابن الحاج نے فرمایا کہ ایسے شخص کو بہت سخت مارا جائے اور اسے قید میں رکھا جائے اور اسکا دوسرے لوگوں کیلئے مباح کرنا یہ دوسری بات ہے یہ برائی میں اس سے بڑھ کر ہے اس لئے کہ اس میں لوگوں کو حرام کے ارتکاب و استحلال پر اُکسانا اور انبیاء و ملائکہ کرام علیہم السلام کے منصب پر حملہ کرنا ہے اور یہ کیسے کسی کو کسی کیلئے مباح کیا جائے جبکہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں وہ تو کسی کو برا بھلا نہیں کہتے سوائے حکم شرعی کے اور جو شرعی طور کسی کو برا بھلا کہتا ہے تو کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کے جواب میں اسے برا بھلا کہے۔ مسئلہ اصل کے اعتبار سے سخت ہے ایسے شخص کو ایسی باتوں سے روکا جائے اور اسے کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پر اس سے بائیکاٹ کیا جائے اور اس پر توبہ اور رجوع الی اللہ ضروری ہے اور یقین دہانی کرائے کہ وہ آئندہ ایسا نہیں کہے گا۔

یہ بیان امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔ اس پر فقیر اُویسی غفرلہٗ توضیحاً اضافہ کرتا ہے۔

اضافہ اُویسی غفرلہٗ...... گستاخی کے درجات ہیں نہ ہر گستاخ واجب القتل ہے نہ ہر گستاخ قابل معافی ہے۔ گستاخی اللہ تعالیٰ کی شان اقدس میں ہو یا انبیاء علیہم السلام کے حق میں یا ملائکہ کرام کے بارے میں یا اولیاء عظام و علمائے حق کے متعلق۔ احوال انبیاء علیہم السلام پر چسپاں نہ کئے جائیں بالخصوص عوام کے سامنے۔ ہماری یہ تحقیق اس کیلئے ہے جس کے دل میں خدا تعالیٰ کا خوف ہے۔

حکایت

ہم یہاں ایک نکتہ لطیفہ عرض کرتے ہیں وہ یہ کہ شیخ ابن السبکی علیہ الرحمۃ ترشیح میں لکھتے ہیں کہ میں ایک دن جماعت کے ساتھ گھر کے دالان میں کھڑا تھا کہ کتا پانی چھڑکتا ہوا ہمارے قریب سے گذرا اس سے خطرہ تھا کہ اس کے چھینٹے ہم پر نہ پڑیں۔ میں نے کتے کو جھڑکتا ہوا کہا کہ اے کلب ابن کلب (اے کتا اور کتے کا بیٹا)۔ میرا یہ قول میرے شیخ یعنی میرے والد شیخ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ گھر کے اندر سے سن رہے تھے، باہر تشریف لا کر فرمایا تم کس کو گالی دے رہے تھے؟ میں نے عرض کی حضور! میں نے تو صحیح کہا ہے وہ کتا ہے اور کتے کا بیٹا۔ انہوں نے فرمایا یہ ٹھیک ہے لیکن تو نے یہ بات اس کی اہانت وتحقیر کے طور کہی ہے اور یہ تمہارے لئے لائق نہیں۔ اس سے میں یہ نکتہ سمجھ گیا کہ کسی کو کوئی صفت جو اس کے لائق ہے کہنے میں حرج نہیں اس میں اس کی اہانت وتحقیر مدنظر ہو تو پھر بے ادبی وگستاخی ہے۔

فائدہ...... ایسے الفاظ کسی پر بولنا اور تدلیس وچھپا کر بیان کرنا اور اندرونی بغض اور حسد وکینہ کی وجہ سے بولنا بولنے والے کو نقصان ہوگا جس پر بولا گیا ہے اس کا کوئی نقصان نہیں اور انبیاء علیہم السلام کا حق تمام کے حقوق سے فائق ہے۔

امام سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تارکِ نماز کا ہر صالح آدمی خصم ہوگا کیونکہ نماز میں ہر صالح آدمی حق ہے کیونکہ نماز میں ہے السلام علینا و علیٰ عباد اللہ الصالحین یونہی مدلس چھپا کر بات کرنے والے سے قیامت میں تمام انبیاء علیہم السلام مخاصمت کریں گے اور ان کی گنتی کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔

حکایت

حضرت یحییٰ بن معین (ناقد الحدیث) سے سوال ہوا کہ تم خوف نہیں کرتے کہ قیامت میں تیرے وہ محدثین خصم ہوں گے جن کی تم احادیث ترک کرتے ہو۔ فرمایا کہ قیامت میں مجھے کسی خصم کا خطرہ نہیں مجھے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ڈر لگتا ہے کہ کہیں وہ میرے خصم نہ ہوں اور فرمائیں کہ تو نے میری حدیث سے جھوٹ کو کیوں دفع نہ کیا جبکہ وہ احادیث ترک کرتا ہوں جن میں کذب وغیرہ کا احتمال ہوتا ہے یونہی میں کہتا ہوں کہ میرا سارا جہاں خصم ہو کوئی خوف نہیں لیکن مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں کوئی ایک نبی میرا خصم ہو چہ جائیکہ تمام انبیاء علیہم السلام۔

سنگین قول کی تقریر

کسی نے کوئی فیصلہ کیا تو شہر کے تمام قاضیوں نے اسے غلط قرار دیا۔ وقت کے بادشاہ نے اسے کہا کہ تیرے فیصلے کو کوئی بھی نہیں مانتا لہٰذا اپنے فیصلے سے رجوع کر لو۔ اس نے جواب میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اپنے مزار سے باہر نکل کر مجھے اس سے رجوع کا فرمائیں تو بھی نہ مانوں گا جب تک آپ مجھے صریح نص قرآنی نہ دکھائیں (معاذ اللہ) پھر اسی نے ایک مدت کے بعد کہا کہ اگر مجھے کوئی نبی مرسل یا ملک مقرب گالی دے تو میں بھی اسے گالی دوں گا اور وہ اپنے اس فتویٰ کو عوام میں اور بازاروں میں کہتا پھرتا تھا کہ میں نے جو کچھ کہا ہے جائز ہے (معاذ اللہ)۔

جواب باصواب

قائل کا پہلا قول کہ (معاذ اللہ) اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مزار سے باہر تشریف لا کر مجھے فرمائیں تو میں آپ کی نہ سنوں گا یہاں تک کہ مجھے آپ صریح نص دکھائیں۔

قائل کا یہ قول تین حال سے خالی نہیں: (۱) قائل سے یہ قول سبقتِ لسانی سے ہوا۔ اس کا ایسی بات کہنے کا ارادہ نہ تھا یہی مسلمان پر حسن ظن اور اس کے حال کے لائق ہے اُمید ہے اس کا ارادہ یہ ہوگا کہ اگر امام مالک بھی قبر سے باہر آ جائیں تو بھی نہ مانوں گا تو بجائے امام کے اس کے منہ سے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم گرامی نکل گیا وہ اپنی تیزیٔ طبع سے ایسے کہہ گیا۔ ایسے شخص کو نہ کافر کہیں گے اور نہ اس سزا دیں گے۔

تبصرۂ اُویسی غفرلہٗ...... آج کل کے دور میں ایسے حال والے کہاں بلکہ عام بکواس کرنے والے اسی قول کا سہارا لے کر کئی قسم کے بکواسات کریں گے۔ لیکن قول اوّل بھی اس شخص کیلئے ہے جس سے اس قسم کی گستاخیوں کا صدور پہلے نہیں ہوتا تھا اور وہ خود بھی کہے کہ مجھ سے سبقت لسانی ہوئی اور وہ اپنی بات سے سخت ندامت کا بھی اظہار کرتا ہے اور کھلم کھلا واضح طور پر اپنی خطاء کا اعلان بھی کرے اور توبہ واستغفار میں مبالغہ کرے اور اپنی غلطی پر سر پر مٹی ڈالے اور صدقہ وخیرات کی کثرت کرے اس کے علاوہ اور بھی اتنا نیکیاں کرے کہ اس سے ایسی غلطی کی معافی کا موجب بنیں۔

(۲) سبقتِ لسانی کی بات تو نہیں اور نہ ہی اس کا یہ اعتقاد ہے لیکن وہ یوں تاویل کرتا ہے کہ میں نے جو فیصلہ کیا ہے اس کے خلاف تمام جن وانس مجھے اس سے رجوع کا کہیں تو بھی نہ مانوں گا اور اگر نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مزار سے باہر تشریف لا کر مجھے رجوع کا فرمائیں تو بغیر حیل وحجت اور انکار کے آپ کا حکم بلا توقف مان جاؤں گا اور میری یہ عبارت مبنی بر مبالغہ ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اب مزار سے باہر تشریف لانا عادۃً محال ہے ایسا شخص کافر تو نہیں لیکن اس نے بہت بڑی جرأت کی ہے اسے اپنے منصب سے ہٹایا جائے اور اتنی زبردست اور سخت سزا دی جائے کہ قتل کے سوا باقی جتنا ہو سکتا ہے اسے مارا پیٹا جائے۔

اللہ تعالیٰ کے گستاخ کا انجام

ابلیس نے جرأت کر کے کہا کہ آدم علیہ السلام سے میں بہتر ہوں اسی اعتراض کی نحوست تھی کہ جونہی شیطان ابلیس نے اللہ تعالیٰ پر اعتراض کیا تو ملعون ٹھہرا اور زمرۂ کفار و مردودین میں شامل ہوا جبکہ اللہ تعالیٰ نے سجدۂ آدم علیہ السلام کا حکم فرمایا تو شیطان نے اعتراض کے طور پر کہا ' ءاسجد لمن خلقت طینا ' اسی اعتراض کی نحوست سے ہاروت و ماروت کو سزا ملی جبکہ انہوں نے آدم علیہ السلام کی اولاد کے بارے میں اعتراض کیا۔

سبق...... جب مخلوق کے بارے میں اعتراض کی یہ سزا ہے تو خالق کائنات پر اعتراض کرنے کی کیا سزا ہوگی اور دورِ حاضرہ میں بعض جدت پسند اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات اور ان کے اندر غور و خوض کر کے تباہ و برباد ہو رہے ہیں۔ یاد رکھئے کہ سابقہ امم میں بھی اہل ہوا معترضین منکرین انہی وجوہ سے تباہ و برباد ہوئے کہ انہوں نے ان مسائل کو اُٹھایا جنہیں صحابہ کرام، تابعین، ائمہ کرام اور اولیاء کاملین رحمہم اللہ علیہم بیان کرنے سے گھبراتے تھے اس لئے کہ ان مسائل کے اظہار سے ذات وصفات پر شبہات پیدا ہونے کا خطرہ تھا لیکن بعد میں آنے والے ملحدوں نے وہی مسائل کھڑے کئے تو شبہات میں پڑ کر خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اگر وہ یہ مسائل کھڑے نہ کرتے تو ایمان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھتے۔

مسئلہ...... خلاصہ یہ ہے کہ اہل حق کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی فعل اور اس کے تخلیقی اُمور میں اعتراض کرنا کفر ہے اس پر وہی جرأت کرسکتا ہے جو کافر گمراہ اور گمراہ کن ہوگا۔

نبوت کی گستاخی کی سزا

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اعتراض کرنا بھی کفر ہے اسی لئے کہ آپ ہر بات اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرماتے ہیں آپ کی کسی بات میں خواہش نفسانی کو دخل نہیں ہوتا اسی لئے ان پر اعتراض کرنا دونوں جہانوں کی تباہی و بربادی کو مول لینا ہے۔

حدیث شریف...... سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اے لوگو! تمہارے اوپر حج فرض ہے۔ یہ ارشاد گرامی سن کر حضرت عکاشہ بن محصر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوگئے اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! کیا ہم پر ہر سال حج فرض ہے یا صرف اسی سال۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں نعم (ہاں) کہہ دیتا تو پھر ہر سال حج فرض ہو جاتا اگر ہر سال فرض ہوتا تو تم اسے چھوڑ کر گمراہ ہو جاتے۔ فلہٰذا تم مجھ سے اس قسم کے سوالات مت کیا کرو، جب تک میں خود نہ بتادوں۔ تم سے پہلی قومیں بھی کثرتِ سوالات واختلافات اور رسل علیہم السلام پر اعتراض وانکار کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئیں۔

ایک گستاخ کی کہانی

بہت بڑی بدبختی اس شخص کی ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اعتراض کیا۔ چنانچہ بعض بزرگوں سے منقول ہے فرمایا کہ میں ایک جگہ بیٹھا تھا کہ کسی بدبخت نے کہا کہ کوئی بھی اپنی خواہش نفسانی سے خالی نہیں خواہ وہ نبی ہے یا ولی یہاں تک کہ ہمارے نبی علیہ السلام بھی (معاذ اللہ) اس لئے کہ آپ نے فرمایا ہے: حبب الی من دینا کم ثلاث الطیب والنساء وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ ...... میں نے اسے کہا اے بدبخت! خدا کا خوف کر کہ یہ اعتراض بے جا ہے اس لئے کہ آپ کو نفسانی خواہش ہوتی تو فرماتے احببت بلکہ فرمایا حبب (بصیغہ مجہول) اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو مذکورہ بالا اشیاء کی محبت کا حکم منجانب اللہ تھا۔ جب وہ حکم منجانب اللہ تھا تو پھر آپ پر اعتراض کیسا۔ اس بدبخت کی بات مجھے سخت ناگوار گزری اور مجھے سخت غم لاحق ہوا اس غم میں مجھے نیند نے گھیرا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ نے فرمایا غم نہ کھایئے میں نے اس بدبخت کا کام پورا کر دیا ہے۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو سننے میں آیا کہ وہ بدبخت مارا گیا ہے۔

گستاخ نبوت کی سزا

جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عورتوں سے نفسانی پیار تھا۔ اس سے اس کی مراد تنقیص رسالت ہو تو ایسے بدبخت کو قتل کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے بدبخت کو تباہ و برباد کرے۔ کذا قال الفقہاء

صاحب روح البیان فرماتے ہیں ۔

شب پرہ میطلبد بدر تمامت نقصان　　　اوندانہ کہ آید نور تو ظاہر باشد

چمگادڑ چودھویں رات کے چاند کو ناقص سمجھتا ہے وہ نہیں جانتا کہ یہ نہ ہوتا تو بھی نہ ہوتا۔

ہر کہ از روئے جدل پر تو سخن میراند　　　بمثل شد اگر شی بوعلی کافر باشد

جو شخص تجھ پر اعتراض کرتا ہے وہ غلط کرتا ہے اگرچہ ابو علی جیسا کافر بھی ہو۔

گستاخوں کے حالات فقیر کی تصنیف ’’گستاخوں کا بدانجام‘‘ میں پڑھیئے۔

اولیاء کے گستاخ

اولیاء ومشائخ اور علماء باعمل پر اعتراض کرنا بھی محرومی ہے بلکہ ان کی صحبت سے برکات نصیب نہ ہوں گے نہ ہی ان سے علمی فیض حاصل ہو سکیں گے جیسے موسیٰ وخضر علیہم السلام کا واقعہ شاہد عادل ہے حالانکہ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے پہلے معاہدہ کرایا کہ فلا تسالنی عن شیٔ حتی احدث لك منه ذکرا لیکن پھر بھی موسیٰ علیہ السلام نے ان پر اعتراض کیا تو جدائی پر نوبت آ گئی اور ساتھ رہنے کے برکات اور علمی فیوضات کے حاصل کرنے سے رہ گئے اور وہ علوم آپکو میسر نہ ہوئے جو آپکو حضرت خضر علیہ السلام سے حاصل ہونے تھے۔

خوارج کی بد قسمتی

خوارج کی بدقسمتی ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض کیا اسی وجہ سے صرف ان کا خروج ہوا بلکہ دین حق سے خارج ہو گئے اور انہیں کلاب النار اور شرقتلی تحت ادیم السماء کے القاب نصیب ہوئے۔

ولی اللہ کے گستاخ کی کہانی

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ کا ایک شاگرد آپ کا نافرمان نکلا۔ آپ نے اس کے متعلق فرمایا کہ اسے چھوڑ دو، یہ اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت سے گر گیا ہے۔ چنانچہ بعد میں اسے ہیجڑوں کے ساتھ پھرتا دیکھا گیا، پھر چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ یہ اسے دنیا میں سزا ملی اور آخرت میں اس کیساتھ اللہ تعالیٰ کلام نہ فرمائے گا اور نہ ہی اسے نظر کرم سے نوازے گا اور اس کیلئے دردناک عذاب ہے بلکہ وہ ہمیشہ کیلئے ہجران وفراق میں رہے گا۔

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے

ہین مکن با مرشد کامل جدل   تا نبا شد گمراہی اور ابدال

خبردار مرشد کامل سے جھگڑا نہ کر تا کہ وہ تیرے لئے اس کے عوض گمراہی ہو۔

بہرحال انبیاء علیہم السلام بالخصوص حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معاملہ نہایت ہی نازک ہے لاشعوری سے لوگ بعض ایسی باتیں کہہ دیتے ہیں جو ان کے نزدیک تو معمولی ہوتی ہیں لیکن اللہ کے نزدیک بہت سخت ہوتی ہیں اور بعض اوقات وہی باتیں جہنم میں لے جانے والی ہوتی ہیں۔ اسی لئے مسلمان پر لازم ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کرام بالخصوص حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اولیائے کرام وعلمائے عظام بالخصوص صحابہ کرام واہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں ایسے الفاظ سے اجتناب کیا جائے جو انجام کی بربادی کا موجب بنیں۔

و ما علینا الا البلاغ

مدینے کا بھکاری الفقیر القادری ابوالصالح

محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ

بہاولپور، وارد کراچی بابُ المدینہ۔ پاکستان

۲ ربیع الاوّل شریف ۱۴۲۳ھ بروز بدھ (چہارشنبہ)

تصنیف لطیف

فیض ملت، آفتابِ اہلسنّت، امام المناظرین، رئیس المصنفین

مُفتی مُحمّد فیض اَحمد اُویسی رضوی مدظلہ العالی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیۡكَ یَا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ صلی اللہ علیہ وسلم

از

فیضِ ملت، آفتابِ اہلسنت، امام المناظرین، مُفسرِ اعظم پاکستان

حضرت علامہ الحافظ مفتی ابوالصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی نوراللہ مرقدہٗ

نوٹ: اگر اس کتاب میں کمپوزنگ کی کوئی بھی غلطی پائیں تو برائے کرم ہمیں مندرجہ ذیل ای میل ایڈریس پر مطلع کریں تا کہ اُس غلطی کو صحیح کرلیا جائے۔ (شکریہ)

admin@faizahmedowaisi.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلامُ عَلٰی مِنْ لا نَبِیَّ بَعْدَهٗ

پیش لفظ

چند سال پہلے کی بات ہے کہ بزرگوں، اُستاذوں اور علماء کے سامنے ننگے سَر جانا سخت بے ادبی سمجھا جاتا تھا۔ اللہ تعالی بھلا کرے انگریزی تعلیم حاصل کرنے والوں کا کہ جب سے اُنہوں نے مغربیت کے ماحول کو رواج دیا ہے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں رخصت ہو رہی ہیں۔ اب ننگا سَر رہنا تہذیب اور سر ڈھانپنے اور پگڑی باندھنے کو معیوب سمجھا جاتا ہے پھر جدید مذاہب کے افراد اپنی بھرتی بڑھانے کی خاطر مغربیت زدہ لوگوں کو اُنکی منشاء کے مطابق مسئلے گھڑ دیتے ہیں تا کہ یہ لوگ اُن کے جال میں پھنس جائیں۔ کچھ یہی کیفیت آج کل ننگے سَر نماز پڑھنے کی ہے کہ اِدھر تو پگڑی باندھنے کی سُنّت ہمارے ہاتھوں سے نکل گئی یہاں تک کہ علماء و مشائخ تک نے پگڑی جیسی مقدس سُنّت کو خیر باد فرما کر انگریزی اور ہندوی وضع کی ٹوپیاں سر پر رکھ چھوڑی ہیں۔ اُدھر مغرب کے مسحور حضرات پگڑی کی مذاقیں اُڑاتے ہیں۔ اس صورتِ حال سے غیر مقلدین (نام نہاد اہلِ حدیث) نے ناجائز فائدہ اُٹھالیا کہ نماز جیسی مقدس ہیئت (حالت اور عبادت) میں پگڑی اُتار ڈالی اور ننگے سر نماز کا رواج عام کر دیا جس سے مغربیت زدہ نمازیوں کو سہولت مل گئی بارہا فقیر کو اِس مسئلہ کی وضاحت کا ارادہ ہوا لیکن فرصت کب؟ حکیم خلیل احمد صاحب (جہانیاں) کا استفتاء تشریف لایا اور ساتھ ہی تاکید تھی کہ جواب جلد بھیجنا۔ مخلص دوست کے تقاضا پر وقت نکال کر مختصر سا رسالہ مرتب کیا۔ اور اُنہیں بھیج کر مشورہ دیا کہ اِسے چھاپ کر عام کیا جائے تا کہ عوام نماز کے فیوضات و برکات سے بہرہ ور ہوسکیں۔ چنانچہ موصوف نے اس پر عمل فرمایا اور پہلا ایڈیشن عام شائع ہوا۔ اب نظرِ ثانی سے دوبارہ شائع کیا جارہا ہے۔ خدا کرے کوئی صاحب حکیم صاحب کی طرح اس رسالے کی اشاعت کریں اور زیادہ سے زیادہ کاپیاں منگوا کر عوام میں مفت تقسیم کریں تو بُہتوں کا بھلا ہو۔

فقیر کے رسالہ ہٰذا کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا۔ اہلِ علم وفہم نے اِسے سراہا عمامہ کے ساتھ نماز ادا کرنے کا مژدہ بہار سُنایا۔ لیکن کسی نے غیر مقلدین کا ایک مطبوعہ رسالہ ننگے سر نماز ارسال کیا۔ اس میں غیر مقلدین کے چند مولویوں کی تحریریں تھیں۔ جس میں دلائل کیا تھے۔ بس وہ پرانی عادت کہ عمامہ والی احادیث ضعیف ہیں اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے فلاں فلاں صحابی نے ننگے سر نماز پڑھی۔ لہٰذا ننگے سر نماز پڑھنی چاہیئے .وغیرہ.فقیر نے وضاحت کے طور تتمہ لگا کر اضافہ کردیا۔

فقیر قادری محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ

۱۱ستمبر ۱۹۸۸ء بروز اتوار شب ۲۸ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ

اِستفتاء: جناب شیخ القرآن ابوالصالح مولانا فیض احمد صاحب اُویسی دامت برکاتہم العالیہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں ننگے سر نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی رو جواب عنایت فرمائیں اور پگڑی باندھ کر نماز پڑھنے کی حدیثیں بیان فرمائیں۔السائل خلیل احمد نقشبندی (جہانیاں)

الجواب:

الحمدالله الصمد الاحد و الصلوة و السلام علیٰ حبیبنا اسمه احمد و علےٰ آلهٖ و اصحابه اجمعین

تمہید: اما بعد! ہم سب جانتے ہیں کہ حضور سرور کائنات ﷺ سے لے کر صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم خیرالقرون سے لے کر سوائے غیر مقلدین کے نماز جیسی اہم عبادت کو ننگے سر کبھی ادا نہیں کیا اور نہ ہی ننگے سر نماز ادا کرنے کا حکم صادر فرمایا بلکہ ہمیشہ پگڑی باندھ کر نماز پڑھی اور پگڑی کے ساتھ نماز پڑھنے کے بڑے بڑے فضائل و درجات بیان فرمائے۔

فضائلِ نماز با عمامہ: حدیث ا:۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى أَصْحَابِ الْعَمَائِمِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

(مسند الشاميين للطبرانی، كتاب ماانتهى الينامن مسند بشر بن العلاء اخی عبدالله، الباب ماانتهى الينا من مسند مكحول الشامی، الجزء٩، صفحه٤٣٢، الحديث٣٤١٦)

یعنی حضرت ابی درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ عزّوجلّ اور اسکے فرشتے جمعہ میں عمامہ باندھے ہوؤں پر درود بھیجتے ہیں۔

حدیث۲:۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوعًا :صَلَاةُ تَطَوُّعٍ أَوْ فَرِيضَةٍ بِعِمَامَةٍ تَعْدِلُ خَمْسًا وَعِشْرِينَ صَلَاةً بِلَا عِمَامَةٍ ، وَجُمُعَةٌ بِعِمَامَةٍ تَعْدِلُ سَبْعِينَ جُمُعَةً بِلَا عِمَامَةٍ (كنزالاعمال، الجزء١٥، صفحه٣٠٦)

یعنی حضرت ابی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا کہ ایک نماز نفل ہو یا فرض عمامہ کے ساتھ پچیس نماز بے عمامہ کے برابر ہے اور ایک جمعہ عمامہ کے ساتھ ستر جمعہ بے عمامہ کے ہمسر ہے۔

حدیث۳:۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةُ فِي الْعِمَامَةِ تَعْدِلُ بِعَشَرَةِ آلَافِ حَسَنَةٍ (السلسلة الضعيفة، الجزء١، صفحه٢٠٦، صفحه١٢٩)

(الفردوس بما ثور الخطاب، حديث٣٨٠٥، جلد٢، الصفحة٤٠٦، مطبوعه دارالكتب العلمية، بيروت)

یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عمامہ میں نماز دس ہزار نیکیوں کے برابر ہے۔(رواه الديلمی)

حدیث:۴۔ عَنْ جَابِرٍ :رَكْعَتَانِ بِعِمَامَةٍ خَيْرٌ مِنْ سَبْعِينَ رَكْعَةً بِغَيْرِ عِمَامَةٍ

(کنزالاعمال،الجزء۱۵،صفحہ۳۰۶)

یعنی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمامہ کے ساتھ دو رکعتیں بے عمامہ کی ستر نمازوں سے افضل ہیں۔ (مسند الفردوس)

عباراتِ فقہائے کرام: فقہائے کرام نے سر سے ننگے ہو کر نماز پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے۔

۱۔ دُرِ مختار میں مکروہات الصلوٰۃ بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: (وَصَلَاتُهُ حَاسِرًا) أَيْ كَاشِفًا (رَأْسَهُ لِلتَّكَاسُلِ) (درمختار،الجزء۱،صفحہ۶۹۱)

فائدہ: ایک حوالہ ہے کیونکہ اس مسئلہ میں کسی فقہیہ کو اختلاف نہیں۔

ننگا سر کِس کا: ننگا ہو کر دو گروہ نماز ادا کرتے ہیں: ۱۔ مغربیت زدہ منکرینِ حدیث۔ اُن سے ہماری گفتگو بھی بے سود ہے کیونکہ وہ تو اُلٹا دین سے ٹھٹھا مخول کرتے ہیں۔ ۲۔ غیر مقلدین جو اپنے آپ کو اہلحدیث کہتے ہیں اُن میں اگر انصاف ہے تو مندرجہ ذیل مضمون کو غور سے پڑھیں۔

(۱) نماز میں سر پر پگڑی باندھنے کی حدیثیں ایسی ہیں کہ جن میں شک صرف ضِدّی کرے گا یا جاہل اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّۃ مواظبہ (دائمی) کا خلاف یقیناً مکروہ ہے چنانچہ بحرالرائق میں ہے: وَحَاصِلُهُ أَنَّ السُّنَّةَ إذَا كَانَتْ مُؤَكَّدَةً قَوِيَّةً لَا يَبْعُدُ أَنْ يَكُونَ تَرْكُهَا مَكْرُوهًا كَرَاهَةَ تَحْرِيمٍ

(بحرالرائق شرح كنز الدقائق ، كتاب الصلاة، الباب قتل الحية والعقرب فى الصلاة، الجزء٤،صفحه١٦٧)

اس قانون کے مطابق بھی سر سے ننگے نماز کی ادائیگی مکروہ ٹھہرے گی۔

(۲) ایک آدھ دفعہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے تو وہ صرف جواز کے لئے تھا تاکہ اُمت کے کسی غریب کو اگر پگڑی نہ ملے تو اُس کی نماز کو بھی بارگاہِ نبوت کا دامن نصیب ہو۔ (جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی) مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پاک جوتا پہن کر نماز ادا فرمائی ہے اور ایک دفعہ صرف ایک بچی کو مونڈھے پہ بٹھلا کر نماز ادا فرمائی ہے اور ایک دفعہ صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھائی ہے اب وہابیوں غیر مقلدوں کو چاہیے کہ ہمیشہ ہی جوتا پہن کر نماز پڑھا کریں۔

بچیوں کو مونڈھے پر بٹھلا کر نماز ادا کریں۔ چادر قمیض یا شلوار قمیض وغیرہ کے بجائے صرف ایک تہبند باندھ کر نماز پڑھیں، جواز کی صورت تو یہی ہے کہ کسی غریب کو پگڑی یا رومال ٹوپی وغیرہ دستیاب نہیں تو وہ پڑھ لے لیکن آج کل کون سا بدنصیب انسان ہے جس کے گھر میں جوڑے کپڑوں کے نہ ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ پگڑی باندھنے کا شعار ختم ہو گیا ہے لیکن غربت کی وجہ سے تو پگڑی یا رومال ٹوپی وغیرہ نہیں ملتی۔ بلکہ عیسائیت کی دیکھا دیکھی یا غیر مقلدین وہابیوں کی طرح کہ پگڑیاں ورومال پاؤں میں پڑیں ہیں اور وہ سر سے ننگے نمازیں پڑھ رہیں ہیں۔

(۳) جس زمانے میں سُنّتِ مُصطفیٰ ﷺ کو اُمت بالکل ترک کر دے اُس وقت سُنّتِ مُصطفیٰ ﷺ کو زندہ کرنا سو (۱۰۰) شہیدوں کا ثواب ہے۔ اب علماء ومشائخ وعوام کے سروں سے پگڑی اُتر چکی ہے۔ (اِلّا ماشاء اللّٰہ) بجائے اس کے کہ وہابیوں غیر مقلدوں کو ہمارے ساتھ مل کر پگڑی کی اہمیت بیان کریں۔ نماز کی ادائیگی میں سختی سے اس عمل کے کاربند بنیں نہ کہ الٹا سُنّتِ مُصطفیٰ ﷺ کے مخالفین کو موقع دیں تبھی تو کہیں گے جب نماز (جیسی افضل العبادۃ جسے معراج کے لقب سے نوازا گیا ہے۔) میں پگڑی نہیں باندھیں تو پھر نماز کے باہر کیا ضروری ہے۔ فلہٰذا انصاریٰ کی طرح ننگے سر رہنا ہی بہتر ہے۔ پگڑی باندھنے کی سُنّت کی اہمیت ذہنوں سے نہ صرف اُتر جائے گی بلکہ دورِ حاضر کا ماڈرن مسلم اپنی تائید پیش کرے گا جس سے سُنّت کو زندہ کرنے کے بجائے اُسکی اہمیت کو سخت دھچکا لگے گا۔

(۴) نبی اکرم ﷺ نے تو نماز کی ادائیگی کے وقت سرڈھانپنے کی اتنی سخت تاکید فرمائی ہے کہ سَر کا درمیانی معمولی حِصّہ کُھلا رکھنے کو بھی گوارا نہیں چہ جائیکہ سارا سر ننگا ہو چنانچہ حدیث شریف میں اعتجار سے روکا گیا ہے اور اعتجار کی تفسیر میں صاحبِ بحرالرائق میں لکھتے ہیں: وَهُوَ أَنْ يُكَوِّرَ عِمَامَتَهُ وَيَتْرُكَ وَسَطَ رَأْسِهِ مَكْشُوفًا كَهَيْئَةِ الْأَشْرَارِ

(بحرالرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصلاۃ، الباب عقص شعرالراس فی الصلاۃ، الجزء ٤، صفحہ ١٢٨)

یعنی وہ یہ کہ عمامہ باندھ کر سَر کا درمیانہ حِصّہ شرارتیوں کی طرح کُھلا رکھا جائے۔

(۵) نماز میں جس عمل کے ساتھ کسی غیر مذہب والے کے ساتھ تشابہ لازم آتا ہو اسی عمل سے بچنے کے لئے شدید تاکیدیں واقع ہوتی ہیں مثلاً نماز میں منہ اور ناک بند رکھنا مکروہ ہے اس لئے کہ اس طرح سے مجوسیوں سے مشابہت ہوتی ہے کیونکہ وہ آگ سے پرستش کرتے وقت اُس کے دھوئیں سے بچنے کے لئے منہ اور ناک بند رکھتے تھے اب ہمیں اس فعل سے روکا گیا ہے اسی طرح کمر میں کپڑا باندھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اسی طرح امام کا طاق میں کھڑا ہونا مکروہ ہے کہ اس میں اَہلِ کتاب سے تشابہ ہوتا ہے۔ جب اَہلِ اسلام کو غیر مسلموں کے شعار کے تشابہ سے روکا گیا ہے تو کیا سر سے ننگا ہونا نصاریٰ کا

شعار نہیں ہے۔افضل العبادۃ میں سر سے ننگے رہنے میں کیوں نصاریٰ کوخوش کرتے ہواور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض؟

(۶) جس عمل میں عوام اُنگلیاں اٹھائیں اپنے ٹھٹھہ و مذاق کے لئے نشانہ بنائیں اور وہ فعل باعثِ شہرت ہوتو وہ مکروہ ہے چنانچہ " مجمع البہار وغیرہ "میں ہے کہ " الخروج عن عادۃ البلد شھرۃ ومکروہ "﴿یعنی اہل شہر کے معمول سے نکلنا شہرت اور مکروہ ہے۔﴾ اور تمام بلادِ حرمین میں جس کے ہر عمل کو غیر مقلدین واجب العمل سمجھتے ہیں خواہ وہ غلط ہو یا صحیح سر پر کپڑا رکھ کر نمازیں ہوتی ہیں اب غیر مقلدین نے اس کو شعار بنایا ہے جس سے نماز کی کراہت میں کسی قسم کا شک ہی نہیں۔

ازالۂ وھم: فقہائے کرام نے ننگے سر نماز کی تین قسمیں لکھی ہیں۔(۱) بہ نیتِ استخفاف و استحقار یعنی دل میں خیال ہو کہ نماز کوئی ایسی حالت تو نہیں جس میں سر کوڈھانپ کر نماز پڑھوں اس لحاظ سے سر ننگا نماز پڑھنا کفر ہوگا۔(اقول) اگر یہ عمل عام ہو گیا تو نماز میں ننگے سر رہنا استحقار استحقاف کا پایا جانا دور نہیں۔(۲) سُستی و کاہلی کی وجہ سے سر سے ننگا ہو کر نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔

تبصرۂ اُویسی: یہ عمل عوام کو پسند ہے کہ سر سے ویسے ہی ننگے رہتے ہیں پھر نماز کے لئے اُنہیں سر پر کپڑا رکھنا بوجھ محسوس ہوتا ہے۔جیسے گرمیوں میں عموماً دیکھا جاتا ہے کہ سُستی کی وجہ سے قمیض وغیرہ سے نماز پڑھنا اُنہیں دشوار محسوس ہوتا ہے۔اس عِلّت کو غور سے دیکھا جائے تو بات واضح ہے کہ نماز کو ننگے سر پڑھنا عموماً سُستی و کاہلی کی وجہ سے ہے۔

(۳) بہ نیتِ تواضع و انکسار ہو تو جائز ہے جیسے آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا جائز ہے لیکن جس جوازی عمل میں فتنہ کا اندیشہ ہو اس سے احتراز (بچنا) واجب ہے اور ظاہر ہے کہ ننگے سر سے نصاریٰ کی تہذیب و تمدن کو تقویت ملتی ہے۔پھر عاشقِ سُنتِ مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کب گوارا کر سکتا ہے۔کہ وہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں نصاریٰ انگریز کی تہذیب کو ترجیح دے لیکن عملی طور تو ترجیح دی جارہی ہے اور نہ صرف ترجیح بلکہ اسلامی تہذیب کا مذاق اور انگریزی تہذیب سے پیار بتاتا ہے کہ مسلمان کا دین و ایمان خطرہ میں ہے اِسی لیے فقیر دین کے رہنماؤں سے اپیل کرتا ہے کہ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ دین کی کشتی کے بچانے کی سبیل کیجیئے قوم کو انگریزی تہذیب سے ہٹا کر اسلامی تہذیب و تمدن کا خوگر بنائیے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کا عملی نمونہ اپنے اندر پیدا کر کے اپنے حلقۂ اثر میں ہر سُنّت پر سختی سے عمل کرائیے۔ہم نے اسلاف میں اپنے مشائخ میں حضرت امام اعلیٰ حضرت،حضرت میاں شیر محمد شرقپوری، پیر جماعت علی شاہ، پیر بھر چونڈی شریف،محدثِ اعظم پاکستان اور دیگر اکابرِ اُمّت کا تجربہ کیا ہے اور دیکھا ہے کہ وہ کس طرح عوام کو سُنّت پر چلا گئے ہیں اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اب بھی بعض پیرانِ عظام اور علماء کرام اِسی طریقہ پر کاربند ہیں۔خدا کرے اِسی طرح دیگر پیرانِ عظام اور علماء کرام فقیر کی آواز کی طرف توجہ دیں تو

اِنْشَاءَ اللّٰہ تَعَالٰی انگریزی تہذیب کا بیڑا غرق ہوگا اور سُنّتِ نبوی ﷺ کا بول بالا ہوگا۔

تتمہ : اسلام کے احکام قرآن وحدیث اور اجماع وقیاس سے ثابت ہوتے ہیں۔ پھر ان کے کئی درجات ہیں۔ جیسے فرض، واجب، سُنّتِ مؤکدہ وسُنّتِ غیر موکدہ اور مستحب۔ چونکہ یہ مسئلہ غیر مقلدوں سے منسلک ہے اسی لئے اُن کی سمجھ کے مطابق عرض کیا جا رہا ہے کیونکہ وہ خود کو اہلِ حدیث کہلاتے ہیں اگرچہ صرف نام ہے کام نہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہوگا۔

قواعد الحدیث: احادیثِ مبارکہ کا غور سے مطالعہ کرنے والے کو معلوم ہے کہ بعض امور وہ ہیں جن پر حضور ﷺ نے مُداوَمَت (ہمیشگی) فرمائی اور وصال کے وقت تک عمل رہا۔ اِسے اصطلاح میں سُنّت کہا جاتا ہے۔ ہم اہلِسنّت اِس قسم کی احادیث پر عمل کرتے ہیں اِسی لئے ہم اہلِسنّت کہلاتے ہیں۔

بعض وہ احادیثِ مبارکہ ہیں جو محض اُمت کی سہولت کے لئے کبھی عمل کیا یا اجازت بخشی لیکن دائماً عمل نہیں فرمایا اُسے ہم حدیث تو کہہ سکتے ہیں لیکن سُنت نہیں چونکہ غیر مقلدین عوام میں انتشار پھیلانے کے درپے ہیں اسی لئے تلاش کرکے وہی احادیث پیش کرتے ہیں جن سے عوام کو خلش ہو اور انتشار پھیلے اس کی مثالیں عرض کردوں گا تاکہ مسئلہ واضح ہو۔

(۱) نبی پاک ﷺ نے ایک دفعہ اونٹنی پر سوار ہو کر طواف کیا، لیکن دائماً سواری کے بغیر طواف فرمایا۔

(۲) روزہ کی حالت میں کبھی بعض ازدواجِ مطہرات کو بوسہ دیا لیکن ہمیشہ نہیں پہلا کام صرف جواز کے لئے تھا ہم اسے حدیث مانتے ہیں لیکن دائماً اس پر عمل نہ تھا۔ ممکن ہے غیر مقلدین اس پر روزہ کے ساتھ عمل کرتے ہوں تو وہ شادی شدہ اور کنوارے کہاں جائیں۔ ممکن ہے اُن کی دینی خیر خواہی کے طور پر اُن کے لیے کوئی سبب بنادیا جاتا ہو یہ اُن سے پوچھئے ورنہ ایسے کنوارے غیر مقلدین زندگی بھر اس حدیث پر عمل نہ کرسکے۔

(۳) روزے کی حالت میں مباشرت (مردوزن کا کپڑے کے حائل ہوئے بغیر ملنا ملانا) احادیث سے کبھی کبھی کرلینا ثابت ہے۔ وہ جواز کے لئے تھا کہ کسی سے اگر ایسے ہو جائے تو روزہ ضائع نہ سمجھا جائے۔ اسے ہم حدیث تو مانیں گے لیکن سُنت نہیں۔ ممکن ہے غیر مقلدین اس پر روزانہ عمل کرتے ہوں تاکہ سُنت سے محروم نہ ہوں۔ یہ اُن کا گھریلو معاملہ ہے۔

(۴) بعض احادیث میں عورتوں کے ختنہ کے متعلق بھی آیا ہے تو اُن کو ہم احادیث برحق کہیں گے لیکن عمل نہیں ہے۔ ممکن ہے اِن کے ہاں یہ عمل جاری ہو بلکہ ہونا لازم ہے۔ کیونکہ وہ اہلِ حدیث نہیں۔ نمونہ کے یہ چند مسئلے عرض کئے ہیں ورنہ اس قائدے کا باب وسیع ہے۔

نتیجہ: اس قائدہ پرعمامہ شریف حضورسرورعالمﷺ کی دائمی سُنّت ہے۔نماز،غیرنماز میں آپﷺ سے اس طرح ثابت ہے۔ہاں جواز کے لئے کبھی نہ باندھا تو وہ سُنّت نہ ہوگی اور مسلمان کوسُنّتِ رسولﷺ چاہیئے نہ کہ اس کے خلاف۔

قاعدہ ۲: احادیثِ مبارکہ کے مراتب ودرجات کے لحاظ سے احکام فرض،واجب،سُنّتِ مؤکدہ وغیرمؤکدہ ومستحب مرتب ہوئے ہیں۔بالخصوص فضائل کے متعلق توکسی محدث وفقیہ کواختلاف نہیں۔یہاں تک کہ غیرمقلدین کے سربراہ ثناء اللہ امرتسری،میاں نذیراحمد دہلوی وداؤدغزنوی وغیرہ وغیرہ بھی قائل ہیں۔

حدیث ضعیف کہنا ان کا ایسا حربہ ہے کہ عوام کو بہت جلد دوم تزوِیر (دھوکہ کے ذریعے) پھنسا لیتے ہیں،لیکن کب تک بالآخر یوم الحساب تو قابو آئیں گے۔کچھ یہاں ان کا رَوِیّہ بھی یہی ہے۔مانا کہ عمامہ کی نماز کے متعلق کچھ روایات ضعیف سہی لیکن حضورسرورعالمﷺ دائمی طور پرتو عامل رہے۔پھراس محبوب سیرت کاانکارکیوں۔

میں نے پہلے عرض کیا غیر مقلدین کا مقصد عوام میں انتشار پھیلانا ہے یہ طویل داستان فقیر کی کتاب ''شُترِ بے مہار وہابی'' میں پڑھ لیں۔یہاں کے نمونہ کے طور پرعرض کردوں۔رضی اللہ تعالیٰ عنہم

ہمارے اوران کے بیان سے سب کویقین ہے کہ حضورسرورعالمﷺ اورصحابۂ کرام ان کے تابعین وتبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم حتی العین (یعنی پندرہویں صدی تک) عمامہ سے نماز کی ادائیگی ہوتی رہی اور ہورہی ہے۔یہاں تک کہ ان کے مرکزی آئمہ نجدی بھی عمامہ نہ سہی لیکن ننگے سرنہیں بلکہ سرڈھانپ کرٹوپی،رومال سے نمازادا کرتے ہیں تو یہ کبھی کبھار کی روایت ڈھونڈ کرعوام کو بہکایا گیا کہ ہم حدیث پرعمل کرنے والے ہیں۔حالانکہ وہ صحیح احادیث جن کے متعلق حضورسرور عالمﷺ سے فضائل ثابت ہیں۔بلکہ ہمارے نزدیک وہی روایات آپﷺ کی زندگیٔ مبارک کا معمول رہا ہے ان کے برعکس کی روایات بوجۂ ضرورت تھیں۔ہمارادعویٰ تسلیم نہ کریں لیکن یہ اُنھیں ماننا پڑے گا کہ وہ روایات صحیحہ ہیں لیکن وہ ان روایات پرعمل نہیں کرتے مثلاً۔

۱۔حضور نبی پاکﷺ نے صبح کی نماز اِسفار (روشنی میں پڑھنا) فرمایا: أَسْفِرُوا بِصَلاةِ الْفَجْرِ ، فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلأَجْرِ

(المعجم الکبیرللطبرانی،الجزء٤،صفحہ٣٣٦)

یعنی فجر میں اسفار (روشنی میں پڑھا) کرو کیونکہ اس میں بہت بڑا اجروثواب ہے۔

۲۔ظہرموسمِ گرما کے متعلق فرمایا: أَبْرِدُوا بِالظُّهْرِ ، فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ

(صحیح البخاری،کتاب مواقیت الصلاۃ، الباب الابراد بالظهرفی شدة الحر،الجزء٢،
صفحه ٤٢٠، الحديث٥٣٨)

یعنی ظہرکوٹھنڈا کرکے پڑھوکیونکہ سورج کی گرمی جہنم کی بھاپ ہے۔

غورفرمائیے کہ غیر مقلدین نے کبھی ان دونوں اوقات کو معمول نہیں بنایا۔ بلکہ معمول ہے تو صبح کی نماز سخت اندھیرے میں اور ظہر (گرما) زوال ہو یا نہ سخت اور شدید گرمی میں ،اگر چہ ان اوقات کے لئے بھی روایات ہیں۔جن کے لئے ہم (احناف) نے کہا کہ وہ بوقتِ ضرورت تھا اور ہمارے اوقات معمول بنا۔لیکن وہ نہیں مانتے ۔اس سے اہلِ فہم کو سمجھ جانا چاہیئے کہ ان کا مقصد کیا ہے وہی جو ہم نے کہا کہ عوام میں انتشار کیونکہ جب سے ان کے مذہب کی بنیاد رکھی گئی اور گورنمنٹ انگریزی سے رجسٹرڈ ہوئے اس وقت سے وہی کاروائی جاری کی ۔جو عوام میں انتشار پھیلائے ۔اعتبار نہ آئے تو چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

احناف	غیر مقلدین
ا۔کنواں پلیدی کے گرنے سے پلید۔	کنوئیں میں کتنی ہی پلیدیاں ہوں پاک رہتا ہے۔
۲۔قرآن کو بے وضو ہاتھ نہ لگانا۔	قرآن کو بے وضو ہاتھ لگانا جائز۔
۳۔کعبہ کی طرف منہ کرکے پیشاب نہ کرنا۔	کعبہ کی طرف منہ کرکے پیشاب کرنے میں حرج نہیں۔
۴۔ایسے ہی اس طرف پاؤں نہ پھیلانا۔	کوئی حرج نہیں ایسے پاؤں پھیلانا جائز۔
۵۔نماز میں ہاتھ کانوں تک لے جانا۔	نماز میں ہاتھ کاندھے تک۔
۶۔نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا۔	نماز میں ہاتھ ناف کے اُوپر۔
۷۔مسجد میں جُوتے نہ پہننا۔	مسجد میں جُوتے پہن کر جانا۔
۸۔نماز جُوتے پہن کر نہ پڑھنا۔	جُوتے پہن کر نماز پڑھنا۔
۹۔عمامہ یا ٹوپی سر پر رکھ کر نماز پڑھنا۔	نماز ننگے سر پڑھنا۔

یہ صرف نمونے کے طور پر کچھ عرض کردیا ہے۔ورنہ حقیقت یہ ہے۔انگریز نے کہا موٹے موٹے مسائل میں اسلام کا اُلٹ میں کروں گا۔چھوٹے چھوٹے مسائل میں تم۔چناچہ ایسا ہی ہوا۔غیر مقلدین کے مذہب کو گورنمنٹ نے رجسٹرڈ کیا۔جیسے کمپنیاں رجسٹرڈ ہوتی ہیں۔ "تحریر الحیوٰۃ بعد المماۃ" اُویسی غُفِرَ لَہٗ

دلائلِ غیر مقلدین: دس نمبر کے مطابق دس غیر مقلدین کے فتاوٰی کے مجموعہ میں کھودا پہاڑ نکلا چوہا وہ بھی مُردہ کی مثالِ صادق آئی۔کیونکہ زیادہ سے زیادہ روایات سے جواز ثابت کرسکیں اور بس چنانچہ اُن دس صاحبان نے دلائل سے ننگے سر نماز کا جواز ثابت کیا ہے۔اُن کی عبارات کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔

صحاح ستہ کے علاوہ مسند امام احمد و مؤطاء ،امام مالك رحمة الله عليه، ابوبکر بن شیبه و نیل

الاوطارو سبل السلام شرح بلوغ المرام باب فی الثواب الواحد ملتحفابه۔

(۱) عَنْ أُمِّ هَانِءٍ اِلْتَحَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثَوْبٍ ، وَخَالَفَ بَيْنَ طَرَفَيْهِ

(صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، الباب الصلاۃفی الثوب الواحد ملتحفانه،الجزء۲،صفحه۱۱۹)

(۲) عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ

(صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ،الباب الصلاۃفی الثوب الواحد ملتحفانه،الجزء۲،صفحه۱۲۱،

الحدیث۳۵۵)

(۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ سَائِلاً سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلَاةِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَوَلِكُلِّكُمْ ثَوْبَانِ

(صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ،الباب الصلاۃفی الثوب الواحد ملتحفانه،الجزء۲،صفحه۱۲۴،

الحدیث۳۵۸)

(۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ ، لَيْسَ عَلَى عَاتِقَيْهِ شَيْءٌ

(صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، الباب اذا صلی فی الثوب الواحد فلیجعل علی عاتقیه، الجزء۲،

صفحه۱۲۶،الحدیث۳۵۹)

شئ کذا عن سلمة بن الا کوع وفی الحدیث عن واند بن محمد وطلق وغیره من کثیر الصحابة و ائمة المسلمین وفی الحدیث ادلة کثیرة لا تحصٰی ومن انکر فعلیه ان یا تینی بدلیل واضح الا فلا نسلم قول من قول لا یجوز الصلوة من لا یضع الثیاب علی رأسه فی الصلوة وکذا فی البیهقی وفی کتب المتداولةو تحفة الاحوزی و شرح البخاری یعنی فتح الباری ادلة کثیرة امنا جابر بن عبد الله فی قمیص واحد ثم قال هکذا رأیت رسول الله ﷺ فی قمیص واحد البیهقی فی باب الصلوة فی الثوب الواحد۔

ومسند امام احمد، صفحه۱۰۳ ،باب جواز الصلوة فی الثوب الواحد قال ابو حنیفه عن الزبیر عن جابر رضی الله تعالی عنه ان رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُتَوَشِّحًا بِهِ فقال بعض القوم لا بی الزبیر عن المکتوبة قال المکتوبة وغیر المکتوبة۔ مسند امام احمد ۔ هذا کفایة لمن له درایة

غیرمقلدین نے ننگے سرنماز کے جواز میں اپنے مولویوں کے فتاوٰی شائع کیے ہیں۔فقیر نے اُن فتاوٰی سے یہ دلائل نقل

کیے ہیں۔اُویسی غفرلہٗ

ان سب روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ننگے سر نماز پڑھی اور پڑھائی ہے۔

(بخوفِ طوالت ان روایات کا ترجمہ ومطلب ترک کردیا ہے۔) ایک اور صاحب نے وہی روایات مع طریقِ استدلال کہا۔

یہ مسئلہ حدیث کی ہر کتاب میں موجود ہے۔مشکوٰۃ شریف ،باب الستر میں پہلی حدیث میں عمر بن سلمۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُشْتَمِلاً بِهِ فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ ، وَاضِعًا طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ

(صحیح البخاری،کتاب الصلاۃ، الباب الصلاۃ فی الثوب الواحد ملتحفا بہ، الجزء۲،صفحہ۱۲۲، الحدیث۳۵۶)

یعنی حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک کپڑا اوڑھے نماز پڑھتے دیکھا جسکے دونوں کنارے دونوں کاندھوں پر پڑے تھے۔

اس حدیث شریف سے رسول اللہ ﷺ کا ایک کپڑے میں ننگے سر نماز پڑھنا ثابت ہوا۔

دوسری حدیث شریف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى عَاتِقِهِ مِنْهُ

(سنن نسائی،الجزء۲،صفحہ۴۰۵،الحدیث۷۶۸)

یعنی نہ نماز پڑھے کوئی تمہارا جس کے کندھوں پر کپڑا نہ ہو۔

اس حدیث میں ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کی اجازت دی بشرطیکہ کندھے ننگے نہ ہوں۔ ننگے سر نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا۔تیسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ صَلَّى فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ ، فَلْيُخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ

(صحیح البخاری،کتاب الصلاۃ، الباب اذا صلی فی الثوب الواحد فلیجعل علی عاتقیہ،الجزء۲، صفحہ۱۲۷،الحدیث۳۶۰)

یعنی رسالت مآب ﷺ کو یہ فرماتے سنا جو آدمی ایک کپڑے میں نماز ادا کرے اسے چاہیئے کہ وہ اس کی دونوں اطراف کو مخالف سمت میں ڈال لے۔

اس حدیث میں ایک کپڑے میں ننگے سر نماز پڑھنے کا طریقہ بیان فرمایا۔

چوتھی حدیث عمر بن ابی سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن اکوع کی ہے۔

قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي رَجُلٌ أَصِيدُ أَفَأُصَلِّي فِي الْقَمِيصِ الْوَاحِدِ قَالَ نَعَمْ وَازْرُرْهُ وَلَوْ بِشَوْكَةٍ

(سنن ابو داود، کتاب الصلاۃ، الباب فی الرجل یصلی فی قمیص واحد، الجزء۲، صفحہ ۳۶۰، الحدیث ۶۴۲)

یعنی میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ایسا آدمی ہوں کہ شکار کرتا ہوں، تو کیا میں ایک قمیص ہی میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟ فرمایا: ہاں اسکو سامنے سے ٹانک لینا خواہ کانٹے کے ہی ذریعہ ہو۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ایک کُرتہ میں ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ ایک کپڑے میں ننگے سر نماز پڑھنا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی ثابت ہے جیسا کہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرے کپڑوں کی موجودگی میں ننگے سر نماز پڑھی اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اَلصَّلَاةُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ سُنَّةٌ كُنَّا نَفْعَلُهُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يُعَابُ عَلَيْنَا

(مسند احمد، الباب حدیث ابی بن کعب، الجزء ٤٦، صفحہ ٣٠٣، الحدیث ٢١٨٧٩)

یعنی ایک کپڑے میں نماز پڑھنا سُنّت ہے۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے اور ہم پر کوئی اعتراض نہ کرتا۔

اسی طرح آج بھی اگر کوئی ننگے سر نماز پڑھے تو اُس پر کوئی اعتراض نہیں کرنا چاہئیے۔

آخری اور مضبوط سہارا: حدیثِ ذیل بڑے فخر و ناز سے پیش کرتے ہیں: عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ صَلَّى جَابِرٌ فِي إِزَارٍ قَدْ عَقَدَهُ مِنْ قِبَلِ قَفَاهُ، وَثِيَابُهُ مَوْضُوعَةٌ عَلَى الْمِشْجَبِ قَالَ لَهُ قَائِلٌ تُصَلِّي فِي إِزَارٍ وَاحِدٍ فَقَالَ إِنَّمَا صَنَعْتُ ذَلِكَ لِيَرَانِي أَحْمَقُ مِثْلُكَ، وَأَيُّنَا كَانَ لَهُ ثَوْبَانِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ رَأَيْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَقَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ

(صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، الباب عقد الازار علی القفافی الصلاۃ، الجزء۲، صفحہ ١١٨-١١٧ الحدیث ٢٥٣-٢٥٢)

یعنی محمد بن منکدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہی تہہ بند میں نماز پڑھی اور اپنے کپڑے کھونٹی پر رکھ دیئے۔ کسی نے اعتراض کیا کہ آپ نے ایک ہی تہہ بند میں نماز کیوں پڑھی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے جواب دیا اس لئے تاکہ میں تیرے جیسے بے سمجھ کو بتادوں کہ ننگے سرنماز ہو جاتی ہے اور نبی اکرم ﷺ کے عہد میں بہت کم لوگوں کو دو کپڑے میسّر آتے تھے۔

دوسری روایت محمد بن منکدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں ہے کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھ کر اس کی وجہ دریافت کی۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا ہے: قَالَهُ فِي النِّهَايَةِ .وَالْغَرَضُ بَيَانُ جَوَازِ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ وَلَوْ كَانَتِ الصَّلَاةُ فِي الثَّوْبَيْنِ أَفْضَلَ فَكَأَنَّهُ قَالَ :صَنَعْتُهُ عَمْدًا لِبَيَانِ الْجَوَازِ

(فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب الصلاة،الجزء۲،الصفحة۴۹، الحدیث ۳۳۹)

یعنی صاحبِ نہایه نے کہا ہے کہ ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے اگر چہ دو کپڑوں میں فضیلت ہے نماز کی۔ اسی لئے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھی تاکہ جو لوگ بے سمجھ ہیں وہ جان لیں کہ ننگے سر نماز جائز ہے۔

نوٹ: ہم نے غیر مقلدین کا تمام سرمایہ یہاں جمع کر دیا ہے اس کے بعد علم سے اُن کی جھولی خالی ہے۔ اب فقیر کی سُن لیجئے۔

جوابات: (۱) تمام روایات جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ اس سے ہم نے کب انکار کیا ہے جیسا کہ خود غیر مقلدین نے امامِ اہلسنّت، شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے فتاوٰی نقل کئے اور خود احادیث کے شارحین کی عبارات نقل کیں تو اُنھوں نے جواز کا کہا اور جواز سے سُنّت ثابت کرنا یہی جہالت ہے۔ جس کی تا حال غیر مقلدین کو آگاہی نہ ہوئی کہ کوئی کام حضور ﷺ جواز کے لئے کر دکھلائیں تو وہ سُنّت کیسے بن گیا۔ جواز کی چند مثالیں فقیر پہلے عرض کر چکا ہے سُنّت مداومت اور عمل کا نام ہے اور گا ہے گا ہے جواز اور ضرورت کا نام۔ انہی تمہارے دلائل سے فیصلہ ہو جانا چاہیئے کہ حضور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم و جملہ اہلِ اسلام کا دائمی عمل سر پر عمامہ یا ٹوپی وغیرہ تھا یا ننگا؟

(۲) احادیثِ مُبارکہ میں ننگے سر نماز پڑھنے کا نہیں بلکہ ننگے سر نمازِ نبوی ﷺ کی ہیئت و کیفیت سے ثابت ہوا تو اب ہمارا سوال ہے کہ جس طرح احادیثِ مُبارکہ نقل کی گئی ہیں۔ اس طرح کی نماز پڑھو تو عامل بالحدیث بنو صرف پگڑی اُتار کر نماز پڑھنے سے بدعتی بن رہے ہو۔ احادیثِ مُبارکہ مذکورہ میں غور کرو اس کی یہ صورتیں ہیں۔ (۱) ایک کپڑا۔ (۲) دو کپڑے (۳) ایک کپڑا پیٹھ کے پیچھے سے گردن میں باندھ دینا جس سے کاندھا بھی ڈھکے ہوں (جیسے بچوں کو (ایک کپڑا) پہنایا جاتا ہے) صرف ننگے سر نماز کا ذکر نہیں۔ تو اب غیر مقلدین پر واجب ہے کہ وہ روزانہ عمامہ اُتارنے کے بجائے صرف ایک ہی چادر پر اِکتفاء کریں۔ جیسے احادیثِ مُبارکہ میں ہے اور اس چادر کو بچوں کی طرح کاندھوں پر باندھ کر نماز پڑھیں۔ صرف عمامہ

پر غُصّہ کیوں؟ صرف عمامہ اُتار کر ننگے سر نماز پڑھنے کی سُنّت کہاں سے نکال لی؟ جواز کے ہم قائل ہیں لیکن صرف ننگے سر نماز پڑھنے کو سُنّت کہنا یہ کس حدیث میں ہے۔

(۴) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت جس میں اُنھوں نے معترض کو احمق کہا اس سے اُن کا ننگے سر نماز کا استدلال بھی عجیب ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک کپڑے سے نماز پڑھ رہے تھے اور بچوں کی طرح گردن میں کپڑا باندھ رکھا تھا تو غیر مقلدین بعینہ اس طرح نماز پڑھیں ہم انکار نہ کریں گے کیونکہ جواز کا باب وسیع تر ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معترض کو احمق کہنا ننگے سر نماز کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ اس کی وجہ کچھ اور ہے نہ یہ کہ آپ نے ننگے سر نماز پڑھنے پر معترض کو احمق کہا۔اس کی وجہ دراصل یہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بعض مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف کرجاتے تھے۔اسی اختلاف کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اِخْتِلَافُ أُمَّتِی رَحْمَةٌ'' [۱] یعنی ''میری اُمت کا اختلاف رحمت ہے۔'' فرمایا ہے اس مسئلہ میں بہت بڑے جلیل القدر صحابہ کرام و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اختلاف تھا کہ ایک کپڑے میں نماز ہوتی ہی نہیں اور جواز والی روایات کا وہ حضرات یہ جواب دیتے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں وسعت نہ تھی اسی لئے جائز تھا لیکن بعد کو ناجائز ہے اُن کے اسماءِ گرامی ملاحظہ ہوں۔

[۱] (الجامع الصغیر،الجزء ۱،الصفحۃ ۹ ٤،الحدیث ۲۸۸)

عینی شرح بخاری میں ہے: التوشح نوع من الاشتمال تجوز الصلاۃ به و الفقهاء مجمعون علی جواز الصلاۃ فی ثوب واحد وقد روی عن ابن مسعود خلاف ذلك (قلت) ذهب طاوس وإبراهيم النخعي وأحمد في رواية وعبد الله بن وهب من أصحاب مالك ومحمد بن جرير الطبري إلى أن الصلاة في ثوب واحد مكروهة الخ

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری،الجزء ٦،الصفحۃ ۱۷۳)

(عینی شرح بخاری ،جلد ٤ ،صفحہ ۵۸ ،و جلد ٤ ، صفحہ ٦۱)

اُن کے ہاں بھی بہت بڑے دلائل ہیں۔ جنھیں امام بدرالدین عینی شارح بخاری نے نقل فرما کر انکار کیا اور اس اختلاف میں بعض روایات حضرت اِبنِ عمر بھی شامل ہیں اور امام مجاہد بھی۔ بلکہ اس مسئلہ پر سیّدنا ابن مسعود و سیّدنا ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مناظرہ ہوا جس کا فیصلہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِبنِ کعب کے حق میں فرمایا۔

ملاحظہ ہو عینی شرح بخاری، جلد ٤، صفحہ ۷۳ اور تاریخ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واقفین کو خوب معلوم ہے کہ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جس طرف ہوں۔ حق وہی ہوتا ہے اور یہ بھی ہے۔ پھر جوادنیٰ اعلیٰ کے سامنے یا تابعی صحابی کے سامنے جمہور کے خلاف مسئلہ پر اعتراض یا طنز کرے یا اسی کو ترجیح دے تو پھر اس کے ساتھ اس طرح ہوتا ہے جیسے حضرت جابر نے معترض کو فرمایا چنانچہ یہاں بھی ہوا کہ مشکوٰۃ امام المحدثین حضرت علامہ بن

سلطان محمد القاری رحمۃ اللہ الباری مرقات میں لکھتے ہیں کہ أَنْكَرَهُ إِنْكَارًا بَلِيغًا كَأَنَّهُ قِيلَ :قَدْ صَحِبْتَ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -وَمَا شَعَرْتَ بِسُنَّتِهِ فَتُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَثِيَابُكَ مَوْضُوعَةٌ عَلَى الْمِشْجَبِ ، فَلِذَلِكَ زَجَرَهُ وَسَمَّاهُ أَحْمَقَ

(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الستر،الجزء٢، الصفحة٦٣٩، دارالفكر)

خلاصہ یہی ہوا کہ حضرت ابنِ جابر کا معترض کو احمق کہنا جمہور کے مذہب کے خلاف بولنے کی وجہ تھی نہ یہ کہ ننگے سر نماز پڑھنے کے اعتراض کی وجہ سے اور نہ ہی وہاں ننگے سر نماز کی بات تھی۔ یہ غیر مقلدین کا اپنا ڈھکوسلہ ہے۔

خلاصۃ البحث: حضرت ملاعلی قاری رحمۃ اللہ الباری کی طرح ہم سب (غیر مقلدین سمیت) کو یہی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ایک کپڑے میں یا دو کپڑوں میں نماز پڑھنا بوجہ ضرورت تھا کہ اس وقت کپڑوں کی قلّت تھی یا جواز کے لئے تاکہ اگر کوئی صرف ایک کپڑے سے یا دو سے نماز پڑھ لے تو نماز جائز ہوجائے گی۔ بشرطیکہ اس کے ہاتھ کوئی دوسرا عارضہ شرعی لاحق نہ ہو اس کے متعلق عرض کر چکا ہوں۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ الباری کی عبارت ملاحظہ ہو۔

وَأَمَّا صَلَاةُ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -وَالصَّحَابَةِ -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ -فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ فَفِي وَقْتٍ كَانَ لِعَدَمِ ثَوْبٍ آخَرَ ، وَفِي وَقْتٍ كَانَ مَعَ وُجُودِهِ لِبَيَانِ الْجَوَازِ (ازنقلہ الطّیبی)[1]

(ترجمہ اوپر کے مضمون میں آ گیا ہے۔)

(شرح النووي على مسلم، كتاب الصلاة،باب الصلاة فى ثوب واحد وصفة لبسه،الصفحة١٧٣،دار الخير)

[1] اس کے مزید جوابات فقیر نے شرح بخاری شریف میں عرض کردیے ہیں۔ اُویسی غُفرلہٗ

جواز کا سہارا: ۱۔ احکامِ شرعیہ دو قسم کے ہیں ''عزیمۃ و رخصت'' مردانِ خدا وہ ہوتے ہیں جو عزیمت پر عمل کرتے اور ڈھیلے ڈھالے سُست و کاہلین جواز کا حیلہ ڈھونڈتے ہیں بفضلہٖ تعالیٰ اہلسنّت احکامِ شرعیہ میں عزیمت پر عمل کرتے ہیں اور غیر مقلدین رخصت کے پیچھے پڑ کر خود ہی دین سے رخصت ہوجاتے ہیں۔

۲۔ جس جواز میں غیروں (غیر مسلموں) کو سہارا ملے اور اصل مسئلہ کے ترک کا خطرہ ہو تو اس جواز پر عمل نہ کرنا بھلا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا، جواز کا سہارا لے کر آج کی ماڈرن مسلم پینٹ پتلون کی شامت سے بیٹھ کر پیشاب کرنے کی سُنّت سے محروم، یہاں بھی غیر مقلدین کو یونہی سمجھایا جائے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز اور بیٹھ کر سُنّت۔ اب ننگے سر نماز کی طرح جواز کا سہارا لے کر کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرو اور عوام کی ملامت پر کہہ دیا کرو کہ احادیث میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا سُنّت ہے۔ ننگے سر نماز کے اِستدلال اور اس مسئلہ کے اِستدلال میں کوئی فرق نہیں۔ یہ سودا انھیں مہنگا پڑتا ہے۔ ایسے ہی جواز کی صورت کھڑے ہو کر کھانا بھی بیٹھ کر کھانا دائمی سُنّت ہے۔ اب غیر مقلدین کو پگڑی اُتارنے کے

ساتھ ساتھ کھڑے کھڑے مُوتنا اور کھانا چاہیئے وغیرہ وغیرہ۔

۳۔ہم نے ننگے سر نماز پڑھنے کی تین صورتیں لکھی ہیں۔ان میں ایک مکروہ ہے۔جب سُستی اور کاہلی سے اس کا ارتکاب ہو اور سُستی و کاہلی کا شکار عوام نہیں بلکہ یہ بیماری اب عام ہے کہ بہت بڑے سمجھدار بھی نماز سے جی کتراتے ہیں۔جب نفسِ نماز اُن کی سُستی اور کاہلی کا شکار ہے تو پھر اُس کے مُستحبات میں کتنا تکاسل وتکاہل کو دخل ہوگا اور شرع کا قانون بھی ہے اور عقل کا تقاضا بھی کہ بیماری جب وبائی صورت اختیار کرے تو بیمار کو بھرپور ٹیکوں، گولیوں اور دوائیوں کے استعمال کے علاوہ معمولی سے معمولی ضرر رساں عمل سے پرہیز کرانا ضروری ہے اور یہاں یہ حال ہے کہ انگریز کی پٹی پڑھانے کے بعد ننگے سر رہنا زندگی بسر کرنا اسّی (80) فی صد مسلمانوں کا زندگی بسر کرنا عام ہوگیا ہے دین کا درد رکھنے والا تو سُنّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے احیاء (زندہ کرنا) میں جدوجہد کرنا، عمامہ باندھنے، بالخصوص نماز ادا کرنے کی کوشش کرے گا اور دین سے بے بہرہ انگریز کی دی ہوئی گندی عادت میں اضافہ کرے گا۔

ازاختیار بدست مختار

ھذا آخر مارقمہ قلم

الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ

بہاولپور، پاکستان

۲۹ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ ۱۲ ستمبر ۱۹۸۸ء بروز ایمان افروز دوشنبہ شریف۔

علماء کرام اور مشائخِ عُظام: آپ اور ہم سب کے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سُنّت کو زندہ رکھنے سے ہمارے اور آپ کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کتنا خوش ہوتے ہیں یہ آپ فقیر سے زیادہ جانتے ہیں بالخصوص جب وہ سُنّت مردہ ہوجائے یعنی اس پر عمل کرنے سے علمی، ذہنی، رواجی طور سخت مشکل ہو جیسے آج کل اکثر سُنّتوں کا حال ہے۔مثلاً داڑھی رکھنا حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب سُنّت ہے ایسے ہی عمامہ شریف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی ادا ہے کہ کبھی سفر و حضر میں یہاں تک کہ نیند کے وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک ننگا نہ ہوا۔

لیکن افسوس ہے کہ داڑھی پر جو پھبتیاں اُڑائی جارہی ہیں اس سے کوئی بے خبر نہیں بلکہ اب تو بعض پیر صاحبان (جنہیں اکابر کے صدقے یہ عزت ملی ہے کہ ہزاروں بندگانِ خدا اُن کے حلقۂ خدّام میں شمولیت کو فخر سمجھتے ہیں) بھی اس محبوب سُنّت کے دشمن بن گئے ہیں۔کبھی بھولے سے سُنّت پر عمل کرنے کا تصوّر نہیں کرتے بلکہ سچ پوچھیئے تو داڑھی کی سُنّت اپنے محبوب چہرے

پر دیکھنا گوارا نہیں کرتے۔ایسے ہی بعض علماء حضرات جنہیں دین کی رکھوالی کے لیے چُنا گیا وہ بھی ایسے پیر صاحبان کو سمجھانے کی بجائے اُنہیں اپنے وعظ اور نجی مجلسوں میں قطبِ وقت اور غوثِ زماں کا لقب دے کر سُنّتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی دشمن بن رہے ہیں اور بعض بے باک مولوی داڑھی چھوٹی رکھوانے کو اپنا فیشن سمجھتے جا رہے ہیں۔ایسے ہی پگڑی باندھنے کا حال ہے۔

تو عزیزو! ایسے وقت میں ایسی سُنّتوں کا زندہ کرنے میں سو شہیدوں کا ثواب نصیب ہو جائے تو سستا سودا ہے۔

دعوتِ عام: احبابِ اہلِ اسلام کو دعوتِ عام ہے کہ سُنّتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے احیاء (زندہ کرنے میں) تن من دھن و جان و مال کی قربانی دے کر بلال و خبیب و زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا زمانہ اہلِ زمانہ کو دیکھائیے۔

حرفِ آخر: اس طویل بحث سے میرا مقصد یہی ہے کہ علماء کرام و مشائخِ عظّام اور عوامِ اہلِ اسلام کو جواز کے چکر میں پھنسنے کے بجائے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سُنّت پر عملی اقدام فرمانا چاہیئے بلکہ اپنے حلقۂ احباب کو سختی سے اس پر کاربند بنانا اپنی زندگی کا سرمایہ سمجھیں تاکہ کل قیامت میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نصیب ہو۔

هذا آخر ما سطرهٔ قلم

الفقیر القادری محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ

۳ ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ

☆......☆......☆

آمین
آہستہ کہنے کا ثبوت
از قلم
فیضِ ملت شیخ القرآن حضرت علامہ محمد فیض احمد اویسی صاحب
باہتمام صاحبزادہ عطاالرسول اویسی
ناشر
مکتبہ اویسیہ رضویہ جامع مسجد
سیرانی بہاولپور

بِسمِ اللّٰہِ الرّحمٰنِ الرّحِیم○

الحمد اللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ سید المرسلین و علیٰ
آلہ اصحابہ اجمعین۔

اما بعد۔ غیر مقلدین کا عام طریقہ ہے کہ جو عمل صدیوں متفق چلا آ رہا ہے۔ کسی نہ کسی حیلہ بہانہ سے اسکے خلاف کریں گے تا کہ امت محمدیہ میں انتشار پھیلے۔ مسائل نماز میں ایک مسئلہ آمین کا بھی ہے جسے صدیوں سے مسلمان امام کے پیچھے۔ جہری نماز میں فاتحہ کے اختتام پر امام سمیت آہستہ پڑھتے چلے آرہے ہیں اسطرح دوسرے اکثر مسائل کا حلل ہے جب سے یہ قوم آئی فتنہ و فساد ساتھ لائی۔ کسی کو شک ہو تو صرف خطۂ ہند میں ہی انکی تاریخ پڑھ لے اس رسالہ میں فقیر آمین کے متعلق عرض کرے گا۔

مقدمہ:-

۱۔ بالاتفاق مع غیر مقلدین آمین سورۃ فاتحہ کا جزو نہیں بلکہ دعائیہ کلمہ ہے بمعنی استجب (قبول فرما) اسی لئے فاتحہ کے اختتام پر آہستہ پڑھی جائے تا کہ واضح ہو جائے کہ آمین ایک علیحدہ کلمہ ہے سورۃ فاتحہ کا جزو نہیں۔

۲۔ آمین دعا ہے اور دعا میں خفا مستحسن ہے۔

۳۔ غیر مقلدین کے پاس اپنی کوئی تحقیق نہیں یہ امام شافعی اور امام احمد جنبل سے ادھار لے کر عوام میں فساد پھیلاتے ہیں اور احناف کی اپنی تحقیق ہے جو احادیث صحیحہ کے پُرزور دلائل سے ثابت فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم آمین ہمیشہ آہستہ پڑھتے اور وہ روایات جو غیر مقلدین پیش کرتے ہیں وہ مؤول ہیں یا غیر مقلدین نے دھوکہ کھایا ہے یا دھوکہ دیا ہے تفصیل آئے گی۔ (انشاء اللہ)۔

۴۔ دعاء میں خفاء کے استحسان پر امام فخرالدین رازی دلائل دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

اعلم ان المقصود من الدعاء ان یصیر العبد مشاہد لحاجتہ نفسہ اذ نفسہ مشاہد لکون مولاہ بکمال القدرۃ والرحمۃ فإل ہذہ المعانی خلت فی قولہ تعالیٰ ادعو بکم تضرعا و خفیہ ثم اذ رحصلت ہذہ الاحوال علے سبیل الخلوص فلا بد من صونہا عن اریاء المبطل لحقیقتہ الاخلاص و ہو المراد من قولہ تعالیٰ و خفیتہ من ذکر الاخفاء صوان لک الاخلاص من شوائب الریاء۔ واذا عرف ہذا المعنی ظہر لک ان قولہ سبحانہ تعالیٰ تفرعا و خفیتہ مشتمل علی کل ما یراد تحقیقتہ دتحصیلہ فی شرائط الدعاء۔ وانہ لا مزید علیہ البتۃ بوجہ من وجوہ المسئلتہ۔ الثالثۃ التضرع التزلل والتخشع وھو اظہار ذل النفس من قولھم ضرع فلان لفلان وتضرع لہ اذا ظہر الا لہ فی معرض السوال والخفیتہ ضد العلانیہ یقال اخفیت الشیء۔ اذا سترتہ واعلم ان الاخفاء معتبر فی الدعا ویدل علیہ بوجوہ الاول ہذہ الایتہ فانہا تدل علی انہ تعالیٰ امر بالدعاء مقرونا بالاخفاء۔ وظاہر الامر للوجب فان لم یحصل الوجوب فلا اقل من کونہ ندبا ثم قال اللہ تعالیٰ بعدہ انہ لا یحب المعتدین فی ترک ہذین الامرین المذکورین فہی التضرع والاخفاء۔ قال اللہ تعالیٰ لا یحبہ و محبتہ اللہ تعالیٰ عبارۃ عن الثواب فکان المعنی ان من ترک فی الدعاء التضرع والاخفاء فان اللہ لا یثیبہ البتۃ ولا یحسن الیہ ومن کان کک کان من اہل العقاب لا محالتہ فظہر ان قولہ تعالیٰ انہ لا یحب المعتدین کالتہدید الشدید علی ترک التضرع والاخفاء فی الدعاء الحجتہ الثانیہ انہ تعالیٰ اثنی علی زکریا فقال اذ نادی ربہ نداء خفیا ای اخفاہ من العباد واخلصہ للہ وانقطع الیہ الحجتہ الثالثہ ماروی ابو موسی الاشعری انہم کانوا فی غزاتہ فاشر فوا علی واد فجعلوا یکبرون ویہللون رافعی اصواتہم فقال علیہ السلام ارفقو علی انفسکم انکم لا تدعون اصم ولا غنیاً انکم تدعون سمیعا قریباً وانہ معکم الحجتہ الرابعتہ) قولہ علیہ السلام دعوۃ فی السر لتعدل سبعین دعوتہ فی العلانیہ من الحسن ولقد کان للسلمون یجتہدون فی الدعا وما یسمع صوتہم الا ہمسا لان اللہ تعالیٰ قال ادعوا ربکم تضرعاً و خفیہ وذکر اللہ عبدہ زکریا فقال اذ نادے ربہ نداء خفیا (الحجتہ الخامستہ) المعقول ہو ان النفس شدیدۃ المیل عظیمتہ الرغبتہ فی الریا والسمعتہ فاذا رفع صوتہ فی الدعاء امتزج الریاء بذلک الدعا فلا یبقی فیہ فائدۃ

البتۃ فکان الاولی اخفاء الدعا یبقی مصونا من الریاء المسئلۃ الرابعۃ قال ابو حنیفۃ اخفاء التامین افضل و قال الشافعی اعلانہ افضل واحتج ابو حنیفہ علی صحتہ قولہ فقال فی قبلہ آمین و جہان احد ہما انہ دعاء و الثانی انہ اسم من اسماء اللہ تعالیٰ فان کان دعاء وجب خفائۃ لقولہ تعالیٰ ادعوا ربکم تضرعاً و خفیۃ و انکان اسم من اسماء اللہ تعالیٰ وجب اخفاہ لقولہ تعالیٰ واذکر ربک فی نفسک تضرعاً وخفیۃ فان لم یثبت الوجوب فلا اقل من الندبۃ و نحن نقول بہذا القول

(اس مضمون کی عبارت تفاسیر اور کتب معتبرہ میں مذکور ہیں جیسے معالم التنزیل و مدارک واحیاء العلوم وروح البیان والحسینی مرقاۃ و قسطلانی وغیرہ وغیرہ)۔

(ترجمہ) **تیسرا مسئلہ:۔**

تضرع بمعنی تذلل و تخشع ہے بمعنی اظہار ذی النفس یہ انکے قول ضرع فلان لفلان تضرع لہ سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے لئے سوال کے وقت اپنی ذلت ظاہر کرے الخفیہ علانیہ کی نقیض ہے کہا جاتا ہے اخفیت الشی۔ میں نے شے کو چھپایا جان لو کہ دعاء میں اخفاء معتبر ہے اسکی کئی وجوہ ہیں (۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دعا کو اخفاء کے ساتھ مقرون فرمایا ہے اور امر کا تقاضا وجوب ورنہ کم از کم عذاب ضرور ہے اسکے بعد فرمایا

حد سے بڑھنے والوں سے اللہ راضی نہیں یعنی ان دونوں تضرع و خفیہ کے تارکین سے اور محبت اللہ کا معنی ثواب ہے اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تضرع و اخفاء کے تارکین کو ثواب نہیں دیتا اور اسے اللہ تعالیٰ ثواب نہ دے وہ اہل عقاب سے ہوتا ہے خلاصہ یہ ہوا کہ جو دعاء میں تضرع و اخفاء نہ کرے اسکے لئے تہدید وعید شدید ہے (۲) زکریا علیہ السلام نے رب تعالیٰ کو مخفی آواز سے پکارا یعنی اس نداء کو بندوں سے مخفی رکھا اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کی اور اسی کی طرف متوجہ ہوتے (۳) وہ حدیث جسے ابو اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا کہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنگ کے لئے تشریف لے گئے صحابہ کرام ایک وادی پر چڑھ کر زور زور سے تہلیل و تکبیر کرنے لگے آپ نے فرمایا اپنے نفسوں پر نرمی کرو تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے بلکہ تم تو سمیع و قریب کو پکار رہے ہو اور بے شک وہ تمہارے ساتھ ہی ہے۔ (۴) وہ دعاء جو آہستہ آہستہ مانگی جائے وہ جہری دعا سے ستر (۷۰) بار کے برابر ہے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگ دعا مانگتے تو گنگناتے جس سے صرف غیر مفہوم آواز سنائی دیتی اللہ نے حکم فرمایا ادعوا ربکم تضرعًا و خفیہ اور زکریا علیہ السلام کا ذکر خیر بھی فرمایا تو نداء مخفی کی وجہ سے (۵) انسان کا نفس ریاو سمعۃ (شہرت) کا سخت دلدادہ ہے جب وہ دعا آواز بلند سے کرے گا تو اسمیں لازماً ریاء کی ملاوٹ ہو گی ریاء کی ملاوٹ سے دعاء کا کوئی فائدہ نہ ہو گا اسی لئے لازم ہے کہ دعاء پوشیدہ طور ہو اسطرح سے ریاء سے بچاؤ ہو سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۴:۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آمین آہستہ کہنا افضل ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جہر افضل ہے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دعویٰ میں فرمایا کہ آمین دعاء ہے اور دعاء میں خفا ہونا ضروری ہے (۲) آمین اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اگر یہ دعاء ہے تو بھی خفاء ضروری ہے اللہ نے فرمایا ادعوا ربکم تضرعا و خفیہ اور اگر وہ اللہ کے اسماء میں ایک اسم ہے تو بھی اخفاء ضروری ہے اپنے رب کا ذکر اپنے جی میں کرو تضرع و خفاء سے اگر اس امر سے وجوب بھی ثابت نہ ہو تو کم از کم ندب تو ثابت ہوتا ہے اور ہم اس خفاء کے قائل ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ دعا میں خفا ہونا ضروری ہے اور آمین دعا ہے اسی لئے ولا الضالین کے بعد اسے آہستہ کہنا افضل ہے نہ کہ چیخ کر جیسے غیر مقلدین کا طریقہ ہے۔

(باب ۱) قرآن و احادیث

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: "اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعاً وَّ خُفْیَۃً" اپنے رب سے دعا مانگو

عاجزی سے اور آہستہ۔ آمین بھی دعا ہے لہذا یہ بھی آہستہ کہنی چاہیئے جیسا کہ دعا کے متعلق آہستگی کا حکم ہے۔ "واذا سألک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذ دعان" (پ ۲ البقرہ) اے محبوب جب لوگ آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو میں بہت نزدیک ہوں مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جو مجھ سے دعا کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ چیخ کر دعا اس سے کی جائے جو ہم سے دور ہو۔ رب تو ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے پھر آمین چیخ کر کہنا عبث بلکہ خلاف تعلیم قرآنی ہے۔ اسلئے کہ آمین دعا ہے۔

احادیث مبارکہ

(۱) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا امن الامام فامنو فانہ من وافق تامینہ تامین الملئکۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ (صحاح ستہ) (بخاری، ومسلم، ترمذی، نسائی، اور داؤد، ابو ماجہ، مالک واحمد)۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کی موافق ہو گی اسکے گذشتہ گناہ معاف کر دئے جائیں گے۔

(فائدہ) معلوم ہوا کہ گناہ کی معافی اس نمازی کے لئے ہے جس کی آمین فرشتوں کی آمین کی طرح ہو اور ظاہر ہے کہ فرشتے آہستہ آمین کہتے ہیں کیونکہ انکے متعلق جہر سے دعا کی تصریح نہیں تو چاہیئے کہ ہماری آمین بھی آہستہ ہو تاکہ فرشتوں کی موافقت ہو اور گناہوں کی معافی ہو جو وہابی چیخ کر آمین کہتے ہیں وہ جیسے مسجد میں آتے ہیں ویسے ہی جاتے ہیں ان کے گناہوں کی معافی نہیں ہوتی کیونکہ وہ فرشتوں کی مخالفت کرتے ہیں۔

لطیفہ:- یہ آمین کہنے والے آسمانی فرشتے بھی مراد ہیں جیسے دوسری روایت میں فی السماء کی تصریح ہے۔ لیکن انکے دور سے ہماری آمین کو سننے پر کسی کو شرک کا اندیشہ نہیں لیکن افسوس ہے کہ اس برادری کو شرک سوجھتا ہے تو نبی وولی کے لئے۔

(۲) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولو آمین

فانہ من وافق قولہ قول الملئکۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ (بخاری وابو داؤد ونسائی وامام مالک وامام شافعی)

ترجمہ:- فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب امام کہے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو تم کہو آمین کیونکہ جس کا یہ آمین کہنا فرشتوں کی آمین کے کہنے کے مطابق ہو گا اس کے گناہ بخش دئے جائیں گے۔

اور ملا علی رحمۃ اللہ نے فرمایا وفی روایہ ولا الضالین فقال من خلفہ آمین فوافق قولہ قول اہل السماء۔ ایک روایت میں ہے کہ تو جو امام کے پیچھے ہے کہے آمین اسکی آمین آسمانی ملئکہ کے موافق ہو گئی تو.....

فوائد الحدیث (۱):-

مقتدی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ ہرگز نہ پڑھے اگر مقتدی پڑھتا تو حضور فرماتے کہ جب تم ولا الضالین کہو تو تم آمین کہو۔ معلوم ہوا کہ تم صرف آمین کہو گے۔ ولا الضالین کہنا امام کا کام ہے۔ رب فرماتا ہے۔ اذ جاءکم المومنات فامتحنوھن جب تمہارے پاس مومنہ عورتیں آئیں تو ان کا امتحان لو۔ دیکھو امتحان لینا صرف مومنوں کا کام ہے۔ نہ کہ مؤمنہ عورتوں کا کسی حدیث میں نہیں آیا کہ اذا قلتم ولا الضالین فقولو آمین جب تم ولا الضالین کہو تو آمین کہہ لو معلوم ہوا کہ مقتدی ولا الضالین کہے گا ہی نہیں۔

(۲) آمین آہستہ ہونی چاہیئے کیونکہ فرشتوں کی آمین آہستہ ہی ہوتی ہے جیسا کہ پہلے گذرا۔ اور یاد رہے کہ یہاں فرشتوں کی آمین کی موافقت سے مراد میں موافقت نہیں بلکہ طریقہ ادا میں موافقت ہے فرشتوں کی آمین کا وقت تو وہی ہے جب امام سورۃ فاتحہ ختم کرتا ہے کیونکہ ہمارے محافظ فرشتے ہمارے ساتھ ہی نمازوں میں شریک ہوتے ہیں اور اسی وقت آمین کہتے ہیں۔ بلکہ آن کے فرشتے بھی۔

لطیفہ:- جن لوگوں نے قسطنطنیہ کی جنگ میں شامل ہو کر لوگوں کے امیر یزید کو حدیث کے غفرلہ ما تقدم جملہ سے قطعی بہشتی ثابت کیا ہے انہیں چاہیئے کہ دنیا بھر کے تمام

نمازیوں کے لئے قطعی جنتی ہونے کا فتویٰ جاری کریں کہ حدیث لھذا میں بھی وہی جملہ ہے۔
تفصیل دیکھئے فقیر کی تصنیف "شرح حدیث قسطنطنیہ"۔

(۳) عن وائل ابن حجر انہ صلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما بلغ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین قال آمین واخفی بہا صوتہ۔ حضرت وائل ابن حجر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب حضور ولا الضالین پر پہنچے تو آپ نے فرمایا آمین اور آمین میں آواز آہستہ رکھی۔ معلوم ہوا کہ آمین آہستہ کہنا سنت رسول اللہ ہے بلند آواز سے کہنا بالکل خلاف سنت ہے۔

فائدہ:- اس حدیث کو امام بخاری و امام مسلم نے نہیں لیا بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت پر کلام کیا تفصیل آتی ہے۔

جرح از غیر مقلدین:- یہ شعبہ کے طریق سے مروی ہے چنانچہ اسکی سند تمہاری بیان کردہ کتب احادیث میں ہے شعبہ عن سلمہ بن کہیل عن حجر ابی العنبس عن علقمہ بن وائل عن ابیہ انہ صلی الخ (اسکے جوابات آئینگے انشاء اللہ)۔

۴۔ عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرا غیر المغوب علیہم ولا الضالین فقال آمین وخفض بہ صوتہ (ابو داؤد و ترمذی و ابن شیبہ)۔ کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے پڑھا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو فرمایا آمین اور آواز مبارک آہستہ رکھی۔

فائدہ:- حدیث ھذا میں آمین آہستہ کہنے کی تصریح ہے لیکن کوئی نہ مانے تو ہم کیا کریں۔

۵۔ عن وائل بن حجر قال لم یکن عمر و علی رضی اللہ عنہما یجھران ببسم اللہ الرحمن الرحیم ولا بآمین۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما نہ تو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے نہ آمین۔

فائدہ:- معلوم ہوا کہ آہستہ آمین کہنی سنت صحابہ بھی ہے۔ بلکہ خلفائے راشدین میں سے دو جلیل القدر خلفاء کا عمل ہے جنکے لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین۔ میری اور میری خلفائے راشدین کی سنت پر التزام کرو۔

(۶) عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال یخفی الامام اربعا التعوذ وبسم اللہ و آمین و ربنا لک الحمد (عینی ہدایہ کی شرح)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا امام چار چیزیں آہستہ کہے، اعوذ باللہ، بسم اللہ، آمین اور ربنا لک الحمد۔

فائدہ:- سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کون دین کا محافظ ہو سکتا ہے انہوں نے بھی آمین کو آہستہ کہنے کا فرمایا لیکن غیر مقلدین کب مانتے ہیں وہ بیس تراویح کو بدعت عمری کہہ کر دین سے فارغ ہو چکے ہیں۔

(۷) عن عبداللہ قال یخفی الامام اربعا بسم اللہ۔ واللہم ربنا و لک الحمد والتعوذ والتشہد (رواہ بیہقی)۔ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ بسم اللہ، ربنا لک الحمد اعوذ اور التحیات۔

فائدہ:- یہ وہی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں جنکی اتباع کا حکم حضور علیہ السلام نے بار بار فرمایا لیکن غیر مقلدین کو تو عبداللہ بن مسعود بھاتے ہی نہیں۔

(۸) عن ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ قال اربع یخفیھن الامام۔ التعوذ وبسم اللہ و سبحانک اللہم و آمین رواہ محمد فی الآثار و عبدالرزاق فی مصنفہ۔ سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ اعوذ باللہ، بسم اللہ، سبحانک اللہم اور آمین یہ حدیث امام محمد نے آثار میں اور عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں بیان کی۔

عقلی دلیل:-

غیر مقلدین سمیت سب کو مسلّم ہے کہ آمین قرآن کریم کی آیت یا کلمہ قرآن نہیں اس لئے کہ اسے نہ جبریل امین لائے نہ قرآن کریم میں لکھی گئی۔ بلکہ دعا اور ذکر اللہ ہے تو جیسے کہ ثناء، التحیات، درود ابراہیمی، دعا ماثورہ وغیرہ آہستہ پڑھی جاتی ہیں ایسے ہی آمین بھی

آہستہ ہونی چاہیئے۔ یہ کیا کہ تمام ذکر آہستہ ہوتے آمین پر تمام لوگ چیخ پڑے۔ یہ بیچنا قرآن کے بھی خلاف ہے۔ احادیث صحیحہ کے بھی صحابہ کرام کے عمل کے بھی اور عقل سلیم کے بھی رب تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ دوسرے اس لئے کہ اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا بھی فرض ہوا اور اسے آمین کہنے کا بھی حکم ہو تو اگر مقتدی سورہ فاتحہ کے درمیان میں ہو اور امام ولاالضالین کہہ دے اور اگر یہ مقتدی آمین نہ کہے تو اس سنت کے خلاف ہوا اور اگر آمین کہے اور چیخ کر تو آمین درمیان میں آویگی۔ قرآن میں غیر قرآن آویگا۔ اور درمیان سورۃ فاتحہ میں شور مچے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔

(باب ۲) غیر مقلدین کے سوالات کے جوابات

آیاتِ قرآنی پر سوالات:- جن آیات سے ہم نے اپنا دعویٰ کیا ان پر غیر مقلدوں نے اعتراضات کئے ملاحظہ ہوں۔

سوال:- آمین دعا نہیں ہے لہذا اگر یہ بلند آواز سے کہی جائے تو کیا حرج ہے رب تعالیٰ نے دعا آہستہ مانگنے کا حکم دیا ہے نہ کہ دیگر اذکار کا۔

جواب:- آمین دعا ہے اس کا دعا ہونا قرآن شریف سے ثابت ہے دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔

ربنا اطمس علی اموالہم واشدد علی قلوبہم فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم۔ اے رب ہمارے ان کے مال برباد کر دے اور ان کے دل سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔ رب نے ان کی دعا قبول فرماتے ہوئے ارشاد کیا۔ قال قد اجیبت دعوتکما فاستقیما۔ رب نے فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کی گئی تو ثابت قدم رہو۔

(فائدہ) فرمایئے دعا تو صرف موسیٰ علیہ السلام نے مانگی تھی۔ مگر رب نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔ یعنی تمہاری اور حضرت ہارون علیہ السلام کی حضرت ہارون نے دعا کب مانگی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر آمین کہا تھا۔ رب تعالیٰ

نے آمین کو دعا فرمایا معلوم ہوا کہ آمین دعا ہے اور دعا آہستہ مستحسن ہے۔

قاعدہ شرعیہ:-

موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کی دعا سے ہمارا استدلال اس قاعدہ سے ہے کہ الآمین دعاء و کل دعاء الاصل فیہ الاخفاء۔ آمین دعاء ہے اور ہر دعاء میں اصل یہ ہے کہ وہ آہستہ مانگی جائے۔ منطقی قاعدہ پر اس قضیہ کا صغریٰ کتاب و سنتہ سے ثابت ہے یعنی آمین کا دعاء ہونا قرآن و سنت سے ثابت ہے اور اکابرین مفسرین و محدثین اور اہل لغت نے بھی اسے دعاء تسلیم کیا۔

قرآن سے اسکا ثبوت حضرت موسیٰ وہارون علی نبینا و علیہما السلام کا واقعہ جب ہم نے باب اول میں بھی مختصرا لکھا اور یہاں اسے تفصیل سے لکھتے ہیں۔

وجہ استدلال:-

آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے دعا کا ذکر فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام کی دعا (حکایۃ) بیان فرمائی اور جب دعاء کی اجابت کا ذکر فرمایا تو دونوں پیغمبروں (علیہما السلام) کی اجابت کا بھی بیان فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ یہ دعا کہ جسکا ذکر قرآن مجید میں ہے خصوصیت سے موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی اور ہارون علیہ السلام نے اس دعاء کے سواء کوئی اور دعاء کی ہے تو جب ہم نے تحقیق کی تو ہارون علیہ السلام نے سوائے آمین کے اور کوئی دعاء نہیں کی یعنی موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے تھے جو قرآن میں مذکور ہے اور ہارون علیہ السلام آمین کرتے تھے پس جناب الٰہی نے اس دعا اور آمین پر دعاء کا اطلاق فرمایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ قرآن شریف میں ہے کہ آمین دعا ہے اور ہمارا دعویٰ بھی یہی ہے کہ آمین دعاء ہے اور ہر دعا کا آہستہ مانگنے کا حکم ہے لہذا نماز میں آمین آہستہ ہونی چاہیئے۔ چنانچہ معالم التنزیل میں ہے کہ قد اجیبت دعوتکما انما نسبت الیھما والدعاء کان من موسیٰ لانہ روی ان موسیٰ کان یدعو وھارون کان یؤمن والتامین دعاء۔ بیشک تم دونوں کی دعا مستجاب ہوئی اور بیشک دعاء دونوں کی طرف اس لئے منسوب ہوئی حالانکہ

دعا تو صرف موسیٰ علیہ السلام نے مانگی تو وجہ یہ ہے کہ مروی ہے موسیٰ علیہ السلام دعا مانگتے اور
ہارون علیہ السلام آمین کہتے اور آمین بھی دعاء ہے اور بیضاوی شریف میں ہے واجیبت
دعو تکما ای موسیٰ و ھارون لانہ کان یومن۔ بے شک تمہاری یعنی موسیٰ و ہارون کی دعاء
مستجاب ہوئی اس لئے کہ ہارون علیہ السلام آمین کہتے رہے اور جلالین میں ہے اور ساتھ ہی
حاشیہ پر دعا علیھم وامن ھارون علی دعائہ قال قد اجیبت دعو تکماہ وفی التفسیر الکلبی وامن ھارون
علی دعائہ لان معناہ استجب۔ فرعونیوں پر موسیٰ علیہ السلام نے انکی تباہی کی دعا مانگی تو ہارون
علیہ السلام نے آمین کہا اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں کی دعا مستجاب ہے اور تفسیر کبیر
میں ہے کہ قال ابن عباس موسیٰ کان یدعو وھارون کان یؤمن فلذلک قال قد اجیبت
دعو تکما وذالک لان من یقول عند دعاء الداعی آمین فھو ایضاً داع لان قولہ آمین تاویلہ
استجب فھو سائل کما ان الداعی سائل ایضاً۔ موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں پر تباہی کی دعا مانگتے اور
ہارون علیہ السلام آمین کہتے اسی لئے اللہ نے دونوں کے لئے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول ہوئی
اس لئے کہ جو دعا مانگنے والے کے ساتھ آمین کہے تو وہ بھی دعا مانگنے میں شامل ہے اس لئے کہ
آمین کا معنی ہے قبول کر اس معنی پر وہ بھی دعا مانگنے والے کی طرح سائل ہے اور تفسیر حسینی
میں ہے آوردہ اند کہ موسیٰ علیہ السلام دعا میکرد وہاروں آمین گفت وآمین گوئندہ در دعا شریک
است ازیں جہت گفت کہ دعاء ہر دو مستجاب شد مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام دعا مانگتے ہارون
آمین کہتے اور آمین کہنے والا بھی دعا میں شریک ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم
دونوں کی دعا مستجاب ہے۔

سوال:۔ قرآن مجید میں ہارون کا دعا کہنا ثابت ہے لیکن آمین بخصوصہ ثابت نہیں اور یہ
تحقیق مفسرین کے قول سے ثابت ہے اور وہ لائق حجت نہیں۔

جواب:۔ مفسرین نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے تھے اور

ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے اور تفسیر صحابہ منسوب بہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوتی ہے
اتقان میں لکھا ہے ومع جزم الصحابی بقولہ کیف یقال انما اخذہ عن اھل الکتاب وقد نھوا من
تصدیقھم۔ صحابی کا اپنے قول پر جزم ہو تو پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ قول اس نے اہل
کتاب سے لیا ہو گا حالانکہ وہ اہل کتاب کی تصدیق سے سختی سے روکے گئے تھے۔ ہم نے تو
ابن عباس سے آمین کو دعائے ہارون ثابت کر دیا۔ ہم مخالف سے پوچھتے ہیں کہ ہارون علیہ
السلام نے کوئی دعاء کی تھی یا نہ اگر کی تھی تو بتلاؤ کہ وہ دعا سوائے آمین کے کیا تھی جیسا ہم نے
صحابی سے ثابت کر دیا کہ وہ آمین تھی تم بھی کسی صحابی سے ثابت کر دو کہ فلانی دعا تھی اور
اگر دعاء سے انکار ہے تو وہ فی الواقع قرآن سے انکار ہے اور اگر مخالف کہے کہ ہارون نے آمین
کہی اور جناب الٰہی نے بھی اس آمین پر اطلاق دعا کا کیا ہے لیکن یہ اطلاق مجازا ہے اور دلیل
ارتکاب مجاز پر معارضات اربعہ ہیں معارضہ اولیٰ آمین کا دعا ہونا قرآن و حدیث صحیح قطعی
الدلالۃ سے ثابت نہیں۔ معارضہ ثانیہ آمین کا بمعنی دعاء ہونا مخالف ہے اقوال ائمہ سے معارضہ
ثالثہ آمین بمعنی الدعاء مخالف ہے قول امام ابی حنیفہ سے معارضہ رابعہ آمین بمعنی دعا مخالف
ہے حدیث مرفوع کے (تمہید جوابات) معارضہ عبارت ہے اقامۃ الدلیل علی خلاف ما اقامہ
الخصم سے اور ظاہر ہے کہ دعویٰ یہاں یہ ہے کہ آمین دعا ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اللہ نے
آمین پر اطلاق دعا کا کیا مخالف معارض پر واجب تھا کہ قرآن سے ثابت کرتا یا حدیث سے
ثابت کرتا کہ اطلاق دعا آمین پر صحیح نہیں نہ آنکہ ہماری دلیل کو تسلیم کر کے اور اطلاق دعا آمین
پر مانکر تاویل کرتا ہے اور باعث تاویل چار دلیلیں مذکور کرتا ہے یہ کیسا معارضہ ہے اب ہم
ان باتوں سے قطع نظر کہتے ہیں کہ کوئی دلیل ان چار دلیلوں سے صحیح اور مفید مخالف نہیں بلکہ
اس قبیلہ سے ہے جو شیخ سعدی بوستان میں فرماتے ہیں، یکی بر سر شاخ بن میبرید۔ خداوند بستان
نگہ کرد ودید۔ بگفتا کہ این مرد بد میکند۔ نہ بما کہ بانفس خود می کند۔ ایک آدمی درخت پر بیٹھ

کر ٹہنی کاٹ رہا تھا۔ باغبان نے دیکھ کر کہا کہ یہ مرد غلطی کرتا ہے لیکن اس سے میرا نہیں اسکا خود اپنا نقصان ہے۔

جوابات معارضات:۔

(۱) مخالف کا کہنا کہ آمین کا دعا ہونا قرآن و حدیث قطعی الدلالۃ سے ثابت نہیں اسکے چند جوابات ہیں۔ (الف) معانی لغویہ شارع نے تو بیان نہیں کئے لیکن مخالفین انہیں تسلیم کرتے ہوئے کبھی قرآن و حدیث صحیح قطعی الدلالۃ کے طالب نہیں ہوتے تو جب دوسرے معانی لغویہ کے لئے قرآن و حدیث صحیح قطعی الدلالۃ کی طلب نہیں آنکھیں بند کر کے مان لیتے ہو آمین بھی لغویہ معانی میں سے دعا۔ ثابت ہے لہذا اسے بھی مان لو لیکن ...... (ب) معانی لغویہ کے لئے قرآن و حدیث صحیح کی حاجت نہیں ہوتی بلکہ شرح اور استدلال کرنے والے کا استحسان کافی ہوتا ہے۔ (ج) تمہارا معاونہ ہی غلط ہے۔ (د) یہ کہنا کہ آمین کا ثبوت قرآن و حدیث میں نہیں غلط ہے اس لئے شارع نے لغات کے بیان کے لئے شرعاً کوئی حکم اور حد مقرر نہیں فرمائی۔ اگر مخالف کو انکار ہے تو ہمارا چیلنج قبول کر لے وہ یہ کہ اصطلاحات شرعیہ کا ثبوت قرآن اور احادیث صحیحہ قطعیۃ الدلالۃ سے ثابت کرے انشاء اللہ تاقیامت تمام منکرین ثابت نہیں کر سکتے جب اصطلاحات شرعیہ کا یہ حال ہے تو معانی لغویہ کے لئے قرآن و حدیث سے ثابت کا مطالبہ کیوں۔ ہاں یہ حق ہے کہ شارع کے اقوال و افعال مجتہدین امت اجتہاد کر کے معانی و مطالب متعین کرتے ہیں لیکن آمین تو اسکی بھی محتاج نہیں اس لئے کہ اس کا دعا ہونا مجتہدین کے اجتہاد سے پہلے خود بخود متعین ہے ہم نے اسی تصنیف میں متعدد دلائل سے ثابت کر دکھلایا ہے کہ آمین دعا ہے اگر مخالفین کے پاس آمین کے دعا ہونے کے انکار میں کوئی آیت یا حدیث صریح ہے تو لائیں۔ ہم انشاء اللہ اسکے جواب کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔

(۲) مخالف کا کہنا کہ آمین کو قرآن میں بمعنی دعا۔ لینا اقوال ائمہ کے خلاف ہے اسکا یہ قول بھی غلط ہے اسکے چند جوابات ہیں۔ (الف) مخالفین کتنے عیار ہیں کہ دلائل قرآنیہ سے

ہٹ کر اقوال ائمہ کی طلب کرتے ہیں یہ انکی نہ صرف جہالت بلکہ حماقت ہے بلکہ خود کو مشرک ثابت کرنا ہے اس لئے کہ ان کا اصول ہے کہ تقلید ائمہ شرک ہے (معیار الحق) (ب) ائمہ پر افترا۔ اور کھلا بہتان ہے کہ آمین بمعنی دعا۔ اقوال ائمہ کے خلاف ہے حاشا و کلا ہم نے کسی امام کا قول نہیں دیکھا اور نہ کسی امام نے کہا۔

ازالہ مغالطہ:۔

غیر مقلدین کی طرف سے ایک اور مغالطہ پیش کیا جاتا ہے کہ آمین کا بعض علماء نے اسم من اسماء اللہ تعالیٰ بھی تو کہا ہے تو پھر اسے صرف آمین پر زور دینا کہاں کا انصاف ہے اسکا جواب یہ ہے کہ بعض علماء۔ کا بمقابل جمہور ایک قول مردود ہے کہ آمین اسم من اسماء اللہ نیز یہ مقابلہ دعا کا نہیں بلکہ مقابل ایک قسم کی دعا ہے یعنی مقابل متعجب یا فعل کے یعنی مقابل اسم فعل کے ہے کہ یہ دونوں فرداً فرداً دعا سے ہیں ہاں معارضہ جب تھا کہ مخالف کسی امام سے ثابت کرتا یا مذہب جمہور بیان کرتا کہ آمین کا معنے دعا کرنا صحیح نہیں واللازم باطل فکذا الملزوم (لازم باطل تو ملزوم خود بخود باطل ہو گیا)۔

سوال:۔ آمین کا معنی دعا ہونا امام ابو حنیفہ کے قول کے مخالف ہے فرمایا لا یقول الامام آمین انما یقول الماموم و ذلک لان الامام داع الماموم مستمع و انما یومن المستمع لا الداعی کما فی سایر الادعیۃ خارج الصلوۃ۔

جواب:۔ افسوس ہے کہ مخالفین نے امام اعظم کے قول کو قرآن پر مقدم کیا علاوہ آنکہ امام صاحب کا قول کو کسی طرح منافات قرآن نہیں اسکا بیان موقوف ایک مقدمہ پر ہے وہ یہ کہ داعی دو قسم ہے (۱) داعی بالفعل ہے جسکی دعا سنکر لوگ آمین کہتے ہیں اسکے مقابل کو مستمع کہا جاتا ہے (۲) داعی بالقوۃ ہے کہ آمین کہنے کے باعث داعی ہے تو بعد تمہید ھذا اب ہم کہتے ہیں کہ مراد امام داعی سے قسم اول ہے۔ پس مقابلہ داعی بمعنی اول مؤتمن کے ساتھ صحیح ہے بخلاف داعی فیما نحن فیہ اور بخلاف دعا کہ اجیبت دعوتکما میں ہے کہ وہ آمین کہنے کے

:، ث بمعنی ثانی ہے ولا معارضتہ فلا منافاۃ (یہاں نہ کوئی معارضہ ہے اور نہ منافاۃ)

سوال:- حدیث میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لرجل قد الح فی المسئلۃ اوجب ان ختم فقال من القوم بایّ شئی یختم فقال امین فانہ ان ختم بامین فقد اوجب اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کو خاتم دعا ٹھرایا اور خاتم مغائیرا اس شے کے ہے کہ جسکی خاتم ہی ہوتی ہے پس قرآن میں اگر آمین بمعنی دعا حقیقۃ لیجائے تو مخالفت مابین الحدیث والقران لازم آئیگی تو قرآن مین تاویل اختیار کی

جواب:- ترجیح حدیث قرآن پر صحیح نہیں یہ بھی ایک امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی صحیح قول نہیں کہ آمین دعا۔ نہیں غیر مقدین کے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے فقہی مسئلے سے از خوداُن پر بہتان تراشا ہے مسئلہ کی عربی عبارت اصل ہم نے لکھی ہے تاکہ اہل انصاف حقیقت کو سمجھ سکیں مسئلہ مذکورہ کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز باجماعت میں ولا الضالین کے بعد آمین امام نہ کہے بلکہ متعتدی کہے اس لیئے امام نے سورۃ الفاتحہ والی دعا۔ مانگی ہے وہ داعی دعا مانگنے والا ہے اور مقتدی مستمع وسامع ہے اور یہاں آمین کہ نہ کہ داعی جیسے کہتے ہیں وہی بات یہاں
(جواب ۲)

غیر مقلدین دھوکہ دینے کے استاد ہیں جب ہم دلائل دیتے ہیں تو کہتے ہیں بخاری شریف میں دکھاؤ۔ اور جو ہماری دلیل بخاری شریف میں ہو گی تو اس کا نام تک نہ لیں گے حالانکہ بخاری شریف میں صاف لکھا ہے کہ قال عطا۔ آمین دعا۔ حضرت عطا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آمین دعا ہے۔

جواب ۳

اکثر غیر مقلدین علم سے کورے ہوتے ہیں وہ کچھ پڑھے ہوتے ہیں توانہیں مطالعہ نہیں ہوتا انکے علمی اضافہ کے لئے چند حوالہ جات حاضر ہیں تمام مفسرین آمین کو دعا۔ لکھ رہے ہیں یاد رہے کہ آمین عام اس سے کہ بمعنی استجب یا کذا لک یکون یا افعل یا اسمع یا نام خدا ہے بمعنی دعا ہے کیونکہ سوائے احتمال پنجم کے آمین اسم فعل بمعنی امر کے ہے اور امر نسبت اعلیٰ

کی دعا ہے اور احتمال پنجم پر تقدیر عبارت یا آمین استجب ہے۔ قال البخاری فی صحیحہ عطا۔ آمین دعا۔ وفی المعالم تحت اجیبت دعو تکما والتامین دعا۔ و تحت قولہ آمین معناہ اللہم استجب و قال ابن عباس و قتادہ معناہ کذ لک یکون وفی تفسیر روح البیان تحت قولہ تعالیٰ قد اجیبت دعو تکما والتامین دعالانہ معناہ استجب اھ وفی الکشاف آمین صوت سمی بہ الفعل الذی ھو استجب کما کان روید و حیھل وھلم فسمی بھا الافعال التی ھی امھل واسرع واقبل وعن ابن عباس سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معنی امین فقال افعل اھ وفی المدارک آمین صوت سمی الفعل الذی ہو استجب کما ان روید اسم لامھل عن ابن عباس سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن معنی آمین فقال افعل وفی التفسیر المظہری قال البغوی قال ابن عباس آمین معناہ اسمع اسمع واستجب واخرج الثعلبی عن ابن عباس قال سالت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن معنی آمین فقال افعل اھ النووی فی شرحہ لمسلم معناہ استجب اھ۔ وفی شرح الموطا للقاری معناہ استجب عند الجمھور وقیل ھو اسم من اسماء اللہ تعالیٰ رواہ عبد الرزاق باسناد ضعیف من طریق ھذا قال بن سیاف التابعی وانکرہ جماعتہ کما ذکرہ السیوطی اھ۔

خلاصہ:- ان تمام عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک آمین بمعنی دعا ہے ایک ضعیف مذہب میں آمین اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم بتایا ہے لیکن وہ بھی بتاویل بمعنی دعا مانتے ہیں۔

مزید بر آں:- دیگر چند اور حوالہ جات لیجیئے۔ وفی القسطلانی ومعناہ عند الجمہور اللہم استجب وقیل ھو اسم من اسماء اللہ تعالیٰ رواہ عبدالرزاق عن ابی ھریرۃ باسناد ضعیف وانکرہ جماعۃ منھم النودی وعبارتہ فی التھذیب ھذا لا یصح لانہ لیس فی اسماء اللہ تعالیٰ اسم مبنی ولا غیر معرب واسماء اللہ تعالیٰ لا تثبت الا بالقرآن اوالسنۃ وقد عدم الطریقان اہ وفی البحار معنا استجب لی او کذ لک فلیکن قال الثمنی قولھم آمین انہ اسم من اسماء اللہ تعالیٰ ومعنا یا آمین استجب وردہ النودی اذلم یثبت بالقرآن والسنۃ المتواترۃ واسمائہ تعالیٰ لاتثبت بدونھما ھاہ وفی التفسیر الکبیر لان قولہ آمین۔ تاویلہ استجب اہ ان نقول معتبرہ سے ثابت ہوا کہ آمین عندالجمہور اسم فعل بمعنی دعا ہے اور عند البعض اسم الٰہی ہے لیکن دونوں تقدیروں پر بمعنی دعا مستعمل ہے۔

سوال:- تمہارے بیان کردہ معنی کے علاوہ مفسرین نے اور معانی بھی آمین کے ثابت ہیں کیوں نہیں کہ آمین اسم فعل ہو جسکا معنی کذ لک یکون ہو یا انکہ خاتم دعا ہو (المعالم) بلکہ حدیث میں بھی آیا ہے کمارواہ ابو داؤد انہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لرجل قد الح فی المسئلۃ اوجب ان ختم فقال من القوم بای شیئ یختم فقال بآمین فانہ ان ختم بآمین فقد اوجب۔ ایک شخص نے دعا میں بہت عجز کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ شخص اسی دعاء پر مہر لگا دے تو اسکی دعا ضرور قبول ہو گی۔

جواب:- یہاں دھوکہ دیا کہ اسم فعل سوائے معنی امر کے بھی آتا ہے کیونکہ اسماء افعال دو قسم ہیں بمعنی ماضی و بمعنی امر فی الفوائد الضیائیۃ اسماء الافعال ما کان ای اسم کان بمعنی الامر والماضی الذی ہما من اقسام المبنی الاصل فعلتہ بناء وہا کونہا مشابہا۔ تمام اسمائے افعال بمعنی امر و ماضی ہوتے ہیں اور یہ دونوں مبنی الاصل کی قسمیں ہیں اسلئے کہ انہیں مبنی الاصل سے مشابہت ہے اور اسم فعل بمعنی مضارع کبھی نہیں ہوتا پس کذ لک یکون یا بمعنی ماضی ہے یا بمعنی امر بمعنی ماضی ہونا جائز نہیں ورنہ گک کان جسکا معنی فارسی میں ہمچنان بودے ہوتا پس متعین بمعنی امر ہوا کہ جسکا معنی ہمچنان تھا یاد رہے کہ اسکا مؤید کتب تفاسیر ولغات ہیں۔

تائید از کتب لغت:- ہر بد مذہب کی عادت ہے کہ مسئلہ کو عوام کی نظروں میں کمزور کرنے کے ارادے پر انکار کر کے عقلی ڈھکوسلوں سے کام لیتے ہیں تحقیق سے تو انہیں دور کا واسطہ نہیں اور نہ ہی فنون کا مطالعہ ہوتا ہے فقیر کتب تفاسیر کے ساتھ کتب لغت کے حوالے پیش کرتا ہے۔

مجمع البحار میں ہے اوگک (کذ لک) فلیکن۔ صراح میں ہے آمین فی الدعاء اجابت کن وچنیں باد۔ غیاث میں ہے آمین اسم فعل است بمعنی قبول کن دعاء را یا بمعنی چناں باد۔

ازالہ وہم:- اعتراض میں آمین کو مضارع کے معنی میں بتایا گیا ہے یہ نری جہالت ہے کیونکہ کسی نحو ولغت اور تفسیر وغیرہ میں نہیں کہ اسم فعل بمعنی مضارع ہو اور سوال میں یہ اثر دیا گیا کہ احناف آمین کو سوائے دعاء کے اور کسی معنی کو نہیں مانتے یہ بھی سراسر بہتان ہے جیسے انکی عادت ہے کہ بہتان تراشیوں میں تمام بد مذاہب سے سب سے آگے ہیں ہم نے کب کہا ہے کہ آمین دعاء کے علاوہ دوسرے معنے میں نہیں آتا ہم نے یہاں فاتحہ کے اختتام پر آمین کا معنی دعاء کا دعویٰ کیا ہے اور وہی حق ہے اور دلائل سے ثابت ہو چکا ہے لیکن انہیں دلائل سے کیا غرض۔

سوال:- جب تم خود مانتے ہو کہ اسم فعل ماضی کے معنی میں بھی آتا ہے اور ماضی جملہ خبریہ ہے اور تم دعا ثابت کر رہے ہو اور دعاء جملہ انشائیہ ہے جیسے نحو میر پڑھنے والا بھی جانتا ہے۔

جواب:- یک شدد دو شد والا معاملہ ہے یہ سوال ڈبل جہالت ہے اس لئے کہ جملہ خبریہ جملہ انشائیہ کے معنی میں عام مستعمل ہوتا ہے جب قرینہ ہو اسی نحو میر میں جملہ خبریہ کو نہ صرف دعاء میں جملہ انشائیہ کی طرف منتقل کرتا ہے بلکہ بعت اشتریت بھی جملہ خبریہ جملہ انشائیہ میں مستعمل ہو رہا ہے وغیرہ اور علم نحو و بیان وغیرہ میں جملہ خبریہ کا جملہ انشائیہ کا استعمال عام قاعدہ ہے اس قاعدہ پر آمین کا معنی یقیناً چنیں باد (خدا کری ایسے ہو) ہو گا نہ کہ چنیں ایسے ہوتا تھا۔

ازالہ وہم:- مخالفین نے ابو داؤد کی حدیث سے استدلال کر کے تاثر دیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا مانگنے والے شخص کو خاتم (مہر) یعنی آمین کہنے کا فرمان اشارہ کرتا ہے دعا۔ اور ہے آمین شئے دیگر یہ غلط ہے اس لئے دعا۔ اور آمین کو آپس میں مغایرت نہیں دعا۔ کے علاوہ آمین کا دوسرا معنی ثابت کرنا اہل علم کا شیوہ نہیں ہاں جہالت سے ہو تو اسکی مجبوری ہے۔

ازالہ مغالطہ:- ابو داؤد شریف کی حدیث مذکور میں آمین کو خاتم فرمانا انگشتری (معروف معنی) مراد لینا بھی جہالت بلکہ حماقت ہے اور نہ ہی یہ معنی یہاں متصور ہو سکتا ہے بلکہ یہاں خاتم بمعنی مطلقاً مایختم بہ الشئ ہے اور مایختم بہ الشئ کسی شے کی جنس سے ہوتا ہے جیسے آمین نماز کی جنس سے ہے اور قاعدہ ہے کہ جنس شئے شے کے مغایر نہیں ہوتی اس سے یقینی طور ثابت ہوا کہ آمین دعا ہے۔

امثلہ در توضیح مسئلہ:- چند روایات حاضر ہیں جنمیں ثبوت ملتا ہے کہ خاتم دعا از جنس دعا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولکن رسول اللہ و خاتم النبین خاتم النبیین یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم ہیں لیکن "النبین" کے زمرہ میں داخل بھی ہیں ثابت ہوا کہ شے اپنی جنس میں داخل ہوتی ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا کہ نزل ملک فقال ابشر بنورین اوتیتهما لم یوت نبی قبلک فاتحۃ الکتاب وخواتیم سورۃ بقرۃ۔ فرشتہ نازل ہوا اور عرض کی کہ اے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم آپکو بشارت ہو دو نوروں کی جو صرف آپکو دئے گئے آپ سے قبل کسی نبی علیہ السلام کو نہیں دئے گئے فاتحہ اور سورۃ البقرہ کے خواتیم یعنی آمن الرسول الخ دیکھئے سورۃ البقرہ میں آمن الرسول داخل ہے۔

(۳) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ

روانہ فرمایا اور انکا امیر لشکر یقرء لاصحابہ صلوتهم فیختم بقل ھو اللہ احد۔ اپنے مقتدیوں کے لئے قراۃ فرماتا تو سورۃ اخلاص پر نماز ختم کرتا۔

اس حدیث میں قرآن کے ذکر کے بعد سورۃ اخلاص مذکور ہوتی ظاہر ہے قراۃ (القرآن) میں سورۃ اخلاص داخل ہے۔

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ آمین دعا۔ کے مغایر نہیں فلہذا اسوالیہ حدیث شریف میں دعا کے بعد آمین کو خاتم کہنا اسے دعا۔ ہونے سے خارج نہیں کرتی یہی ہمارا مدعا کہ آمین دعا۔ ہے اور دعا۔ میں خفا مستحسن ہے۔

غیر مقلدین کی پیش کردہ احادیث:- انکا خلاصہ جواب یہ ہے کہ وہ روایات مجروح اور ضعیف ہیں جو قابل حجت نہیں چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

سوال ۱:- ترمذی شریف میں حضرت وائل ابن حجر سے روایت ہے۔ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قراء غیر المغضوب علیہم ولا الضالین و قال آمین و مد بھا صوتہ۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا اور آمین فرمایا اپنی آواز کو اس پر بلند کیا معلوم ہوا کہ آمین بلند آواز سے کہنا سنت ہے۔

جواب:- حدیث کا غلط ترجمہ ہے اس میں مد ارشاد ہوا مدّ یمدّ سے بنا ہے۔ اس کے معنے بلند کرنا نہیں بلکہ آواز کھینچنا ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حضور نے آمین بروزن کریم قصر سے نہ فرماتی بلکہ بروزن قالین الف اور میم خوب کھینچ کر پڑھی۔ لہذا اس میں مخالفین کی کوئی دلیل نہیں۔ ترجمہ کی غلطی ہے۔

(**قاعدہ**) مد کا مقابل قصر خفا۔ کا مقابل۔ جہر رفع کا مقابل خفض ہے اگر یہاں جہر ہوتا تو دلیل صحیح ہوتی۔ جہر کسی روایۃ میں نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ انہ یعلم الجہر وما یخفی۔ بے شک رب تعالیٰ جانتا ہے بلند اور پست آواز کو رب تعالیٰ نے یہاں خفا۔ کا مقابل۔ جہر فرمایا نہ کہ مد۔

سوال:- ابو داؤد شریف میں حضرت وائل ابن حجر سے روایت ہے۔ قال کان رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم اذا قرا۔ ولا الضالین قال آمین و رفع بھا صوتہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پڑھتے ولا الضالین تو فرماتے تھے آمین اور اس میں اپنی آواز شریف بلند فرماتے تھے۔

یہاں رفع فرمایا جس کے معنی ہیں اونچا کیا بلند کیا معلوم ہوا کہ آمین اونچی آواز سے کہنا سنت ہے۔

جواب:- (۱) حضرت وائل ابن حجر کی اصل روایت میں مد ہے۔ جیسا کہ ترمذی شریف میں وارد ہوا۔ جس کے معنی کھینچنے کے ہیں۔ نہ کہ بلند کرنا یہاں اسناد کے کسی راوی نے روایت بالمعنی کی مد کو رفع سے تعبیر فرمایا اور مراد وہ ہی کھینچنا ہے نہ کہ بلند کرنا روایت بالمعنی کا عام دستور تھا۔

(۲) ترمذی اور ابو داؤد کی روایتوں میں نماز کا ذکر نہیں صرف حضور کی قرأت کا ذکر ہے ممکن ہے کہ نماز کے علاوہ خارجی قرأۃ کا ذکر فرمایا گیا ہو مگر جو روایات ہم نے پیش کی ہیں ان میں نماز کا صراحتہ ذکر ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں اور نہ احادیث ہمارے خلاف ہیں۔

(۳) آمین بالجہر اور آمین خفی کی احادیث میں تعارض ہے۔ مگر جہر والی روایتیں قرآن کریم کے خلاف ہیں لہذا ترک کے لائق ہیں اور آہستہ کی روایتیں قرآن کے مطابق ہیں لہذا واجب العمل ہیں۔

(۴) آہستہ آمین کی حدیثیں قیاس شرعی کے موافق ہیں اور جہری آمین کی حدیثیں اس کے خلاف لہذا آہستہ آمین کی حدیثیں قابل عمل ہیں۔ اس کے خلاف قابل ترک، قرآنی آیتوں اور قیاس شرعی کا ذکر فن اصول فقہ میں مفصل مذکور ہے۔

(۵) آمین جہری والی حدیثیں قرآن شریف سے اور ان احادیث سے جو ہم پیش کر چکے ہیں منسوخ ہیں۔ اسی لئے صحابہ کرام ہمیشہ آہستہ آمین کہتے تھے اور اسی کا حکم دیتے تھے۔ اور زور سے آمین کہنے سے منع کرتے تھے۔ جیسا کہ باب اول میں ذکر کیا گیا۔ اگر جہر کی حدیثیں منسوخ نہیں تھیں تو صحابہ نے عمل کیوں چھوڑ دیا۔

سوال:- ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:- کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قال غیر المغضوب علیہم ولا الضالین قال آمین حتی یسمعہا اھل الصف الاول فیرتج بہا المسجد۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فرماتے تو آمین فرماتے یہاں تک کہ پہلی صف والے سن لیتے تو مسجد گونج جاتی تھی۔

جواب:- ہر بد مذہب بالخصوص غیر مقلدین کی عادت ہے کہ بعض اوقات صرف اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے آیت یا حدیث وغیرہ ادھوری بیان کرتے ہیں یہاں وہ چال چلی ہے حالانکہ اس روایت کو مکمل پڑھتے تو مطلب واضح ہو جاتا اصل روایت یوں ہے کہ:- عن ابی ھریرہ قال ترک الناس التامین و کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ۔ لوگوں نے آمین کہنا چھوڑ دی حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم الخ۔

(فائدہ) اس جملہ سے معلوم ہوا کہ عام صحابہ کرام نے بلند آواز سے آمین چھوڑ دی تھی جس پر سیدنا ابو ہریرہ یہ شکایت فرما رہے ہیں اور صحابہ کا کسی حدیث پر عمل چھوڑ دینا اس حدیث کے نسخ کی دلیل ہے۔ یہ حدیث تو ہماری تائید کرتی ہے نہ کہ تمہاری۔

(۳) اگر یہ حدیث صحیح مان بھی لی جاوے تو عقل اور مشاہدہ کے خلاف ہے اور جو حدیث عقل و مشاہدہ کے خلاف ہے وہ قابل عمل نہیں خصوصاً جبکہ تمام احادیث مشہورہ اور آیات قرآنیہ اسکے خلاف ہیں علاوہ عرف عام کے بھی خلاف ہے اس لئے کہ اس حدیث میں مسجد گونج جانے کا ذکر ہے حالانکہ گنبد والی مسجد میں گونج پیدا ہوتی ہے نہ کہ چھپر والی مسجد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف آپ کے زمانہ میں چھپر والی تھی۔ وہاں گونج پیدا ہو ہی کیسے سکتی تھی۔ آج کوئی غیر مقلد صاحب کسی چھپر والے گھر میں شور مچا کر گونج پیدا کر دکھاویں انشاء اللہ چیختے چیختے مر جاویں گے مگر گونج پیدا نہ ہو گی۔ اس کے باقی وہ جواب ہیں جو پہلے بیان کئے گئے۔

(۴) یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔ رب فرماتا ہے لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت

النبی۔ اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچانہ کرو اگر صحابہ نے اتنی اونچی آمین کہی کہ مسجد گونج گئی تو ان سب کی آواز حضور کی آواز سے اونچی ہو گئی۔ قرآن کریم کی صریح مخالفت ہوئی۔ جو حدیث مخالف قرآن ہو قابل عمل نہیں۔

سوال:۔ بخاری شریف میں ہے:۔ و قال عطاء آمین دعاء امن ابن الزبیر و من ورائہ حتی ان للمسجد للجبۃ۔ حضرت عطا فرماتے ہیں کہ آمین دعا ہے اور حضرت ابن زبیر اور انکے پیچھے والوں نے آمین کہی یہاں تک کہ مسجد میں گونج پیدا ہو گئی۔ اس حدیث میں صاف معلوم ہوا کہ آمین اتنی چیخ کر کہنا چاہئے کہ مسجد میں گونج جاوے۔

جوابات:۔ (۱) اس کا پہلا جملہ ہمارے مطابق ہے کہ آمین دعا ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ دعا آہستہ مانگو۔

(۲) اس حدیث میں نماز کا ذکر نہیں نہ معلوم خارج نماز یہ تلاوت ہوئی یا نماز میں ظاہر یہ ہے کہ خارج نماز ہوگی۔ تاکہ ان احادیث کے خلاف نہ ہو جو ہم نے پیش کیں۔

(۳) یہ حدیث عقل و مشاہدہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ کچی اور چھپر والی مسجد میں گونج پیدا نہیں ہو سکتی۔ لہذا واجب التاویل ہے۔ اگر قرآن کی آیۃ بھی عقل شرعی اور مشاہدہ کے خلاف ہو تو وہاں تاویل واجب ہوتی ہے ورنہ کفر لازم آجاتا ہے۔ آیات صفات کو متشابہ مان کر صرف ایمان لاتے ہیں۔ اس کے ظاہری معنی نہیں کرتے کیونکہ ظاہری معنی عقل شرعی کے خلاف ہیں۔ جیسے:۔ ید اللہ فوق ایدیہم فاینما تولوا فثم وجہ اللہ۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ تم جدھر پھرو گے ادھر ہی اللہ کا منہ ہے۔ خدا کے لئے ہاتھ منہ ہونا عقل کے خلاف ہے۔ لہذا یہ آیات واجب التاویل ہیں نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے:۔ تغرب فی عین حمئۃ ۔ ذوالقرنین نے سورج کو کیچڑ کے چشمے ڈوبتے دیکھا سورج کا ڈوبتے وقت آسمان میں اترنا عقل کا تقاضہ ہے لہذا اس کی تاویل لازم پڑھنا اور ہے حدیث سمجھنا کچھ اور اسی لئے ہم غیر مقلدین کو کہتے ہیں کہ حدیث سمجھنے کا شوق ہے تو ہمارے مدرسے میں داخل ہو جاؤ !! ۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایسی کوئی حدیث صحیح مرفوع نہیں جس میں نماز میں آمین بالجہر کی تصریح ہو ایسی صحیح حدیث نہ ملی ہے نہ ملے گی۔ اسطرح مخالفین اور روایات بھی پیش کرتے ہیں انکا بھی یہی حال ہے مثلاً نسائی شریف میں ہے:۔ اخبرنا محمد بن عبید اللہ بن عبد الحکم ثنا شعیب اللیث بن سعد عن خالد بن یزید عن سعید ابن ھلال عن نعیم المجمر قال مشیت وراء ابی ھریرۃ فقرء بسم اللہ الرحمن الرحیم ثم بام القرآن حتی قال غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقال آمین الحدیث۔

سوال:۔ جتنا روایات حنفی آمین بالخفا میں پیش کرتے ہیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف سے استدلال نہیں کر سکتے (وہی پرانا یاد کیا ہوا سبق) دیکھو وائل ابن حجر کی ترمذی والی روایات جو تم نے پیش کی اس کے متعلق ترمذی فرماتے ہیں:۔ حدیث سفیان اصح من حدیث شعبۃ فی ھذا الی ان قال و خفض بھا صوتہ وانما ھو مد بھا صوتہ۔ آمین کے بارے میں سفیان کی حدیث شعبہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے شعبہ یہاں کہتے ہیں خفض یعنی حضور نے پست آواز سے کہا حالانکہ مد ہے یعنی کھینچ کر آمین فرمائی۔

جواب:۔ خدا کا شکر ہے کہ تم مقلد تو ہوتے امام ابو حنیفہ کے نہ سہی کسی اور کے جیسے یہاں امام ترمذی کو مانا کہ ہر جرح آنکھ بند کر کے قبول کر لیتے ہو حالانکہ اس حدیث کے ضعف کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ تمہارے خلاف ہے۔ اگر تمہارے حق میں ہوتی تو آنکھ بند کر کے مان لیتے ہاں اس سوال کے چند جوابات ہیں۔

(۱) ہم نے آہستہ آمین کی متعدد سندیں پیش کیں۔ کیا سب سندیں ضعیف ہیں اور سب شعبہ راوی آرہے ہیں۔ اور شعبہ ہر جگہ غلطی کر رہے ہیں یہ ناممکن ہے۔

(۲) اگر ہماری متعدد اسنادیں ساری کی ساری ضعیف بھی ہوں تب بھی سب مل کر قوی ہو گئیں۔

(۳) شعبہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے بعد اسناد میں شامل ہوتے جن سے یہ حدیث ضعیف ہوئی امام صاحب کو یہ ہی حدیث بالکل صحیح ملی تھی۔ بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں۔

(۴) اگر پہلے سے ہی یہ حدیث ضعیف تھی جب بھی امام اعظم سراج امت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کو قبول کرنا ہوگا اس لئے کہ ضعف فی السند آپکے زمانہ کے بعد ہوا۔

(۵) چونکہ اس حدیث پر عام امت مسلمہ نے عمل کر لیا ہے لہذا حدیث کا ضعیف جاتا رہا اور حدیث قوی ہو گئی۔ جیسا کہ اصول فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے۔

(۶) حدیث کی قرآن کریم تائید کر رہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قرآن کے خلاف ہے لہذا آہستہ آمین کی حدیث قرآن کی تائید کی وجہ سے قوی ہو گئی جیسا کہ اصول فقہ کا قاعدہ ہے۔

(۷) اس حدیث کی قیاس شرعی تائید کر رہا ہے۔ اور بلند آواز کی حدیث قیاس شرعی کے اور عقل شرعی کے خلاف ہے لہذا آہستہ آمین کی حدیث قوی ہے اور بلند آواز کی حدیث ناقابل عمل۔ غرضیکہ آہستہ آمین کی حدیث۔ بہت قوی ہے اس پر عمل چاہیئے۔

سوال:۔ ابو داؤد شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور جب سورہ فاتحہ سے فارغ ہوتے تو۔ قال آمین حتی یسمع من یلیہ من الصف الاول۔ اس طرح آمین کہتے کہ صف الاول میں جو آپ سے قریب ہوتا وہ سن لیتا۔

جواب:۔ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ پہلی تمہاری روایتوں میں تھا کہ مسجد گونج جاتی تھی اور اس میں آیا کہ صرف پیچھے والے ایک دو آدمی ہی سنتے تھے (۲) اسی حدیث

کی اسنادیں بشر ابن رافع آرہا ہے۔ اسے ترمذی نے کتاب الجنائز میں حافظ ذہبی نے میزان میں سخت ضعیف فرمایا احمد نے اسے منکر الحدیث کہا ابن معین نے اس کی روایتہ کو موضوع قرار دیا امام نسائی نے اسے قوی نہیں مانا۔ یہاں شعبہ نے تین جگہ پر خطا کی (۱) حجر ابی العنبس کہا حالانکہ وہ حجر ابن العنبس ہے جسکی کنیت ابا السکن ہے (۲) علقمہ بن وائل کو زیادہ کیا حالانکہ علقمہ نہیں (۳) خفض صوتہ کہا حالانکہ مد صوتہ کہنا تھا چنانچہ امام ترمذی جو صحاح کے تیسرے نمبر پر ہے اور امام بخاری جیسے امام الحدیث کو گواہ بنا کر فرماتے ہیں۔

سمعت محمداً یقول حدیث سفیان اصح من حدیث شعبہ فی ھذا و خطاء شعبتہ فی مواضع من ھذا الحدیث فقال عن حجر ابی العنبس وھو حجر بن العنبس و یکنی بابی السکن وزاد فیہ عن علقمہ بن وائل ولیس فیہ عن علقمہ وانما ھو عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر وا قال خفض بہا صوتہ انما ھو ید بہا۔ ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا کہ میں نے محمد ابن اسمعیل بخاری سے سنا کہ وہ کہتا تھا کہ حدیث سفیان اصح ہے حدیث شعبہ سے آمین کے باب میں شعبہ نے اس حدیث کی چند جا میں خطا کی پس کہا شعبہ نے عن حجر ابی العنبس حالانکہ وہ حجر ابن العنبس ہے کنیتہ اسکی ابو السکن ہے اور شعبہ نے زیادتی کی اس اسناد میں کہا عن علقمہ ابن وائل حالانکہ اس اسناد میں علقمہ سے روایت نہیں روایت تو حجر بن عنبس سے ہے کہ وہ وائل ابن حجر سے کرتا ہے اور نیز کہا شعبہ نے خفض بہا صوتہ اور حدیث میں ہے مد بہا صوتہ۔

جوابات از اویسی غفرلہ:۔ ہم امام ترمذی اور امام بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ کا احترام کرتے ہیں اور انہیں فن حدیث کی نقل کے امام مانتے ہیں لیکن معصوم نہیں مانتے (۱) امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کا حدیث سفیان کو اصح اور شعبہ کی حدیث کو مجروح فرمایا لیکن بلا دلیل جب تک دلیل نہ ہو کوئی بڑا امام کیوں نہ ہو اس کی بات مسلم نہیں ہوتی۔ (۲) امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کا حدیث سفیان کو اصح کہنا تو دلیل ہے کہ شعبہ کی حدیث صحیح ہے اصح حدیث کی صحت کی دلیل ہوتی ہے کیونکہ افعل کی نفی سے فاعل کی نفی نہیں ہوتی اور محدثین کے

نزدیک یہ قاعدہ مسلم ہے اگرچہ سفیان کی حدیث کو اصح کہنے کی بھی امام بخاری رحمتہ اللہ کے ہاں کوئی دلیل نہیں۔ بلا دلیل ہم کسی کی نہیں مانتے کیونکہ ہم مقلد ہیں یہ تو الٹا غیر مقلدین کو مضر بھی ہے کہ وہ کسی امام کی تقلید نہیں کرتے اگرچہ وہ دلائل کے انبار لگادے یہاں غیر مقلد امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی بات بلا دلیل مان رہے ہیں یا اعلان کریں کہ ہم امام بخاری رحمہ اللہ کے مقلد ہیں۔ (۳) سفیان رحمہ اللہ کی روایت کو ہم نے نہیں مانا اور اسکے وجوہ ہم نے پہلے عرض کئے ہیں۔ (۴) امام حاکم بھی محدث پایہ کے ہیں انہوں نے امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے مقابلہ میں حدیث شعبہ کو صحیح کہا ہے (۵) امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کا کہنا کہ ابن العنبس کی کنیت صرف ابوالسکن ہے ابوالعنبس نہیں امام عینی شارح بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کا اس قاعدہ سے تغافل ہے کہ ایک شخص کی دو کنیتیں ہوتی ہیں . بہت سے محدثین کرام بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دو کنیتیں ثابت ہیں اور محدثین عظام رحمہم اللہ تعلیٰ سے یہ ثابت کیا کہ ابوالعنبس کنیت ابن العنبس کی ہے۔ (۶) سفیان نے اپنی روایت میں ابوالعنبس کہا ہے حدیث دوم میں ابو داؤد کی اسناد میں اور نیز دارمی میں ایسا ہی موجود ہے (۷) نیز یہ کہنا کہ شعبہ نے علقمہ کے ذکر کرنے میں خطا کی ہے یہ کہنا امام بخاری رحمتہ اللہ سے موجب تعجب ہے۔ تقریب میں ہے شعبتہ ثقہ حافظ متقن کان الثوری یقول امیر المومنین فی الحدیث و کان عابداً تو شعبہ جب ثقہ ہوا اور زیادہ ثقہ معتبر ہے کمافی اصول الفقہ والحدیث پس خطا شعبہ کیطرف نسبت کرنا اگر خطا نہیں تو کیا ہے (۸) اسناد میں علقمہ بن وایل مذکور ہو اور سفیان نے ارسال کیا ہو محدثین کا قاعدہ ہے کہ کبھی ذکر کبھی ارسال کرتے ہیں قال الامام مسلم فی صحیحہ و کذلک کل اسناد الحدیث لیس فیہ ذکر سماع بعضھم من بعض وان کان قد عرف فی الجملتہ ان کلو احد منھم قد سمع من صاحبہ سماعاً کثیراً فجایز لکل واحد منھم ینزل فی بعض الروایتہ فیسمع من غیرہ عنہ بعض احادیث ثم یرسلہ عنہ احیاناً ولا یسمی من سمع منہ وینشط احیانا فیسمی اللذی حمل عنہ کاحدیث ویترک الارسال امام مسلم رحمتہ اللہ تعلیٰ نے

فرمایا کہ ایسے ہی ہر وہ اسناد حدیث کہ جسمیں بعض کو بعض سے سماع حاصل نہیں اگرچہ وہ بجملہ معروف ہے کہ انکے ہر ایک نے ایک دوسرے سے بکثرت سنا ہے تو ہر ایک کو جائز ہے کہ وہ دوسرے سے بعض احادیث سنکر بھی ارسال کرے اور اسکا نام نہ لے جس سے سنا ہے کبھی اس سے روایت کر کے اسکا نام لے اور ارسال کا ترک کرے (پھر اسپر چند امثلہ قائم فرمائیں جو چاہے مسلم شریف کا مقام حذا دیکھ لے تو حضرت امام بخاری کا حکم لگانا خطائے شعبہ پر ترجیح بلا مرجح ہے بلکہ ترجیح مرجوح ہے کیونکہ یہاں ایک دلیل قوی ہے کہ سفیان نے ترک ذکر علقمہ کا کیا ہے اور شعبہ نے زیادت نہین کی ہے وہ دلیل یہ ہے کہ سفیان مدلس ہے اور مدلس جیسا کہ شیخ کو ساقط کرتا ہے ویسا ہی مافوق شیخ کو بھی ساقط کرتا ہے تو جایز ہے کہ علقمہ کو بھی ساقط کیا ہو لہذا عن کے ساتھہ روایت کی چناچہ فرمایا عن سلمہ بن کہیل عن حجر ابن عنبس عن وائل بن حجر اور حضرت سید میر شریف رحمتہ اللہ علیہ نے رسالہ اصول الحدیث میں لکھا کہ ربمالم یسقط المدلس شیخہ و لکن یسقط من بعدہ رجلا ضعیفا رو صغیرا مدلس کبھی اپنے شیخ کو ساقط نہیں کرتا لیکن اسکے بعد والے کو اسکے ضعیف یا صغیر کیوجہ سے ساقط کرتا ہے

امام سفیان ثوری رحمتہ اللہ کا مدلس ہونا عندالمحدیثن مشہور ہے جسے ہم آگے چل کر عرض کرینگے انشاء اللہ ❁

(۸) امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کا فرمانا کہ شعبہ نے خفض بہا صوتہ کہا ہے یہ مصادرہ علی المطلوب ہے امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ دلیل لائیں کہ خفض بہا صوتہ کسی روایت میں بھی نہیں جب انکا یہ دعویٰ نہیں ہو سکتا تو بلا دلیل انکی بات ہم کیسے مانیں۔ حالانکہ محدثین جانتے ہیں اور غیر مقلدین کو اعتراف ہو گا کہ شعبہ رضی اللہ عنہ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ سے حدیث دانی میں کچھ کم نہیں۔

(۹) خفض بہا صوتہ کی روایت کی تائید امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے استاد حضرت ابن ابی شیبہ رحمتہ اللہ علیہ نے بھی دوسری روایت کی ہے تو اسمیں خفض بہا صوتہ ہے۔ اس روایت کو

ہم نے اس رسالہ میں آگے نقل کر رہے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ہم سفیان رضی اللہ عنہ کی حدیث کی صحت کے قائل نہیں کہ وہ مدلس ہیں تو پھر انکو ہمارے مقابلے میں انکی حدیث کا دلیل میں لانا کیسا جبکہ حدیث خفاء (آہستہ پڑھنا آمین کا) قرآن و احادیث صحیحہ و لغات معتبرہ و اقوال مستندہ سے ثابت ہے انہی دلائل کے پیش نظر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل سے احناف کے دلائل کا پلہ وزنی اور بھاری ہے۔

سوال:۔ جہر دو قسم ہے ا عنیف (سخت) ۲ متوسط قرآن مجید میں خفاء وہ خفاء مراد ہے جو جہر کے بالمقابل ہو نہ کہ جہر مطلق کے بالمقابل تو ہمارا آمین میں۔ جہر متوسط مقصد ہے نہ کہ جہر مطلق وہ آیت جو احناف پیش کرتے ہیں وہ ہمارے (غیر مقلدین) کے لئے مضر نہیں

جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے دون الجہر کی تفسیر میں فرمایا المعنیٰ یذکرانہ علے وجہ یسمع نفسہ (تفسیر کبیر) معنیٰ یہ ہے کہ وہ خود سنے اور بس۔ جہر متوسط مراد ہو تو ابن عباس کی تفسیر کے خلاف لازم آتا ہے۔

جواب ۲ تمہارا (غیر مقلدین) کا عویٰ حدیث صحیح۔ مرفوع کے خلاف ہے وہ بخاری شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے غزوہ خیبر کے موقعہ ایک وادی پر جھانک کر دیکھکر ان صحابہ کرام سے فرمایا جو اللہ اکبر زور زور سے پکار رہے تھے دار فقوا علے انفسکم انکم لا تدعون اصم ولا غائباً انکم تدعون سمیعا قریباً اپنے نفسوں پر نرمی کرو تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے تم تو سمیع و قریب کو پکار رہے ہو۔ یہاں ظاہر ہے کہ حضور علیہ السلام جہر عنیف (سخت) سے روک رہے ہیں نہ کہ جہر متوسط سے ورنہ اسپر کوئی قید بڑھاتے پھر حضور علیہ اسلام نے اس جہر سے ممانعت کی علت خود بتادی اسپر دیگر علت کوئی از خود بڑھائے تو وہ ہمیں مضر نہیں

جواب۔ ۳ آیات میں جس خفا کا ذکر ہے وہ جہر مطلق کا بالمقابل ہے وہ عنیف ہو یا متوسط غیر مقلدین کی مراد صرف متوسط میں قرآن کے مطلق کو مقید کرنا لازم آتا ہے اور وہ بلا دلیل

ناجائز ہے

جواب۔ ۴ یہ بھی غیر مقلدین کا حیلہ بہانہ ہے کہ آیت سے جہر متوسط ثابت ہوتا ہے اور ہم بھی جہر متوسط کرتے ہیں یعنی آمین متوسط آواز سے چنانچہ فرماتے ہیں

مناسبۃ الحدیث للترجمۃ من جہیہ فی الحدیث الامر بقول آمین والقول اذا وقع الخطاب مطلقا حمل علی الجہر و متی اریدالاسرار و حدیث النفس قید بذلک انہوں نے کہا کہ مناسبۃ حدیث کا ترجمہ کے ساتھ اس جہتہ سے ہو کہ حدیث میں امر ہے قول الامین کے ساتھ اور جب خطاب قول کے ساتھ مطلقا واقع ہو تو محمول جہر پر ہوتا ہے اور جب اخفا اور حدیث نفس اردہ کیا جاوے تو مقید اسکے ساتھ لاتے ہیں۔

جواب:۔ احادیث صحیحہ میں دو طرح تعلیق مذکور ہے (۱) امام کے ولا الضالین کہنے پر (۲) امام سے آمین سننے پر تعلیق دوم دو امر کی محتمل ہے (۱) امام کے آمین کہنے پر امام سے آمین سننے پر تعلیق اول میں خاص پہلا معنیٰ ہے پس تعلیق محتمل کا قطعی پر حمل کرنا واجب ہے نہ بالعکس تو اس حدیث کا بھی وہی معنیٰ ہے جو حدیث اول کا ہے یعنی تعلق تامین مقتدی کا ولا الضالین کے سننے پر جو تامین کے کہنے کا وقت ہے نہ کہ تامین کے سننے پر اور اس کا (راز کہ حدیث دوم دو معنی کی متحمل) ہے یہ ہے کہ تامین بھی آمین کہنا ہے نہ کہ سننا یا سنانا اور آمین کہنا آہستہ اور بالجہر دونوں کا محتمل ہے اب قرینہ قطعیہ تامین از امام آمین آہستہ کہنے پر یہ ہے کہ امام مالک و امام محمد رحمتہ اللہ علیہما نے اسی حدیث اذا امن الامام میں ذکر کیا ہے اور کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول آمین اس لئے کہ باخبر کرنا حضور علیہ السلام کا آمین کو دال ہے کہ مقتدیوں کو آپ کی آمین پر بوقت نماز خبر نہ تھی ورنہ خبر دینے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اس لیے کہ ایسا کرنا دو وجہ سے ہوتا ہے یا مخاطب جاہل کو عالم بنانا ہے یا اپنا عالم ہونا۔ جتلانا ہے دوسری وجہ باطل ہے تو وجہ اول متعین ہوئی ورنہ خبر دینے کا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ نیز امام نسائی و دارمی کا روایت کرنا فان الامام یقول آمین اسی احتمال کا مؤید ہے اور وہ جو عسقلانی اور قسطلانی نے فرمایا

ہے موجب تعجب ہے کہ اتنا تبحر علمی کے باوجود قولو کو جہر پر محمول کر دیا۔

مزید توضیح:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدیوں کے آمین کہنے کو امام کی ولاالضالین کہنے پر معلق فرمایا اور یہ اول دلیل ہے اخفائے آمین امام پر کیونکہ تعلیق مذکور مقتضی تعیین مقام تامین ہے اور بر تقدیر جہر آمین کے یہ تعلیق لغو ہوتی ہے اور قرینہ اخفا بنا برین تعلیق وہ حدیث نسائی و دارمی ہے جس میں فان الامام یقول آمین ہے کیونکہ امام کی آمین کہنا مقتدیوں کو جتلانا دلیل ہے اس پر کہ مقتدیوں کو آمین کہنی امام پر علم نہیں تھا اور عدم علم مقتدیوں کا مستلزم ہے عدم جہر کو ملا علی قاری نے لکھا فیہ حجتان احدھما علی مالک بان الامام یقولھا والثانیۃ علی الشافعی بانہ یخیفھا الامام لانہ لو کان جہرا لکان مسموعا فح استغنی عن قولہ فان الامام یقولھا۔ اس حدیث میں دو حجتہ ہیں ایک مالک پر اس طرح کہ امام آمین کہتا ہے دوسری شافعی پر کہ آہستہ کہے آمین کو کیونکہ اگر آمین جہرا کہتا مقتدی سنتے تو اس وقت اس قول سے کہ قال الامام یقولہا استغنا تھا۔

۵۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول فانہ من وافق قولہ قول الملائکہ اخفاء آمین امام و موتم پر دال ہے اسلئے کہ موافقہ کو موجب مغفرت گناہان ٹھہرایا ہے لیکن وموافقت مذکور نہیں کہ وقت میں یا اخفاء میں یا نفس کہنے میں ہے اگر موافقت اخفاء میں مطلوب ہے فتعین المطلوب اور اگر کسی اور امر میں مطلوب ہے تو ظاہر ہے کہ بطریق اخفا نیز وہ موافقت حاصل ہے پس موافقت تامہ فی الجملہ موافقت سے بہتر ہے۔ اس طرح سے آمین آہستہ کہنا ثابت ہوا نہ کہ بالجہر۔ جن کتب میں تامین مقتدی کا تعلیق ولاالضالین پر ہے انہی کتب میں تامین امام پر بھی مذکور ہے اذا امن الامام فامنو وارد ہے اور عسقلانی و قسطلانی نے لکھا ہے کہ قولوا دال ہے امر یا لجہر پر اور نووی میں ہے ومن المختلطین عطاء بن السائب وابو اسحٰق السبطی و سعید الحریری و سعید بن عروبہ و عبدالرحمن ابن عبداللہ المسعودی وربیعہ استاذ مالک و صالح مولی التوامہ و حصین ابن عبدالوھاب الکوفی و سفیان بن عیینۃ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سند کے بعض راویوں کو مختلط کہا ہے

اور علم اصول حدیث کا قاعدہ مسلمہ ہے کہ مختلط کی حدیث قبل از اختلاط مقبول ہے اور بعد اختلال و یا انکہ معلوم نہ ہو کہ بعد اختلال ہے یا قبل از اختلال مردود ہے امام نووی نے فرمایا اذا اختلاط الثقۃ لاختلال ضبطہ بخرق او ھرم اولذھاب بصرہ او نحوذلک قبل حدیث من اخذ عنہ قبل الاختلال ولا یقبل حدیث من اخذ عنہ بعد الاختلال او شککنا فی وقت اخذہ جب ثقہ راوی مختلط ہو بوجہ اختلال ضبط یا فرق یا بڑھاپے یا سبب اندھا ہونے کے وغیرہ تو اسکی حدیث جس نے قبل از اختلال لی ہے قبول ہے اور بعد از اختلال یا اسکے اختلال قبل و بعد میں شک ہے تو اسکی حدیث قبول نہیں۔

جواب:۔ اس سند میں عبدالجبار ہے اور اسکی حدیث مرسل ہے اور مرسل غیر مقلدین کے نزدیک ناقابل عمل ہے فلہذا حجۃ نہیں ہو سکتی۔

سوال:۔ ابن ماجہ کی روایت سے آمین بالجہر کا ثبوت ملتا ہے۔

جواب:۔ سوال گو مگو ہے فقیر پوری سند عرض کر کے تفصیل لکھتا ہے ملاحظہ ہو:۔

حدثنا عثمان ابن ابی شیبہ ثنا حمید بن عبدالرحمن ثنا ابن ابی لیلی عن سلمتہ۔ ایسے ہی یہودیوں کے حسد والی حدیث کی بھی سند حاضر ہے:۔ حدثنا العباس بن الولید الخلال الدمشقی ثنا مروان بن محمد وابو مسہر قال ثنا خالد بن یزید بن صبیح المری ثنا طلحہ بن عمرو عن عطا عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماحسدتکم الیھود۔ سند میں ابن ابی لیلی راوی کے متعلق محدثین کا فیصلہ ہے کہ وہ سیئ الحفظ ہے اور طبقات سابقہ سے ہے تقریب میں ہے محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی سیئ الحفظ جداً من السابقہ اور امام احمد بن جنبل رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ابن ابی لیلی لا یحتج بہ (رواہ الترمذی) اور سیئ الحفظ کے متعلق نخبہ میں ہے ثم الطعن اماان یکون بکذب الراوی او تہمتہ بذلک او فحش غلطہ اور غفلتہ او فسقہ اووہمہ او مخالفتہ او جہالتہ او بدعتہ او سوء حفظہ اور راوی کا طعن یا توبسبب کذب کی یاتہمت کذب کے یا بہت غلطی کے یا غفلت یا فسق یا وہم یا مخالفت ثقات یا جہالتہ حال یا بدعتہ یا بد حفظی کی جہت سے ہوتا ہے۔ ایسے ہی ابن عدی بھی مخطی ہے تقریب میں ہے ابن عدی یخطی من الثالثتہ ابن عدی مخطی ہے اور تیسرے طبقہ کا ہے اور یہ حدیث حضرت علی المرتضی کے قول کے بھی خلاف ہے طحاوی شریف میں ان سے مروی ہے عن وائل بن حجر کان عمرو علی لا یجہران بالبسملتو لا بالتعوذ ولا بالتامین وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ عمرو علی رضی اللہ عنہ کبھی بسم اللہ اور تعوذ اور آمین کو جہر سے نہیں کہتے تھے۔ دوسری سند میں حماد بن سلمہ ہے محدثین فرماتے ہیں کہ:۔ حماد بن سلمہ آخر عمر میں متغیر الحفظ ہو گیا تھا فی التقریب حماد بن سلمتہ تغیر حفظہ باخرہ نیز اسی سند میں سہل بن صالح آخر عمر میں تغیر الحفظ ہو گیا تھا فی التقریب سہل ابن ابے صالح تغیر حفظہ باخرہ

وقال الترمذی وھکذا اتکلم بعض اہل الحدیث فی سہل ابن ابے صالح و محمد بن اسحاق و حماد بن سلمتہ و محمد ابن عجلان واشباہ ھولاء من الایمتہ انما تکلموا فیھم من قبل حفظھم فی بعض ماروووا اور امام ترمذی نے کہا کہ ایسا ہی اہلحدیث نے گفتگو کی ہے سہل ابن ابی صالح اور محمد ابن اسحق اور حماد بن سلمہ و محمد ابن عجلان اور ان جیسے ائمیہ کے حق میں اور انکی بعض روایت کردہ روایات میں محدثین نے کلام کیا ہے۔

جواب نمبر۲:۔ حسد یہود مستلزم جہر آمین کو نہیں کیونکہ یہود قرینہ و محل سے معلوم کر کے حسد کریں مثلاً غیر مقلدین باوجودیکہ حنفیہ اخفاء بامین کرتے ہیں باعث علم محل و قرینہ آمین کے حنفیہ پر حسد کرتے ہیں۔

(۴) حدیث کی پوری سند یوں ہے حدثنا بندار نا یحیی بن سعید و عبدالرحمن بن مہدی قالا نا سفیان الثوری عن سلمہ بن کہیل عن حجر بن عنبس محنس وائل بن حجر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ اس روایت میں ایک راوی سفیان ثوری ہیں (رضی اللہ عنہ) اور وہ مدلس ہیں تقریب میں سفیان ثقتہ حافظ فقیہ عابد امام حجتہ و کان ربمایدلس۔ سفیان ثقہ حافظ فقیہ عابد امام حجتہ تھے لیکن تدلیس کرتے تھے اور یہ روایت انہوں نے سلمہ سے عن کے ساتھ روایت کی ہے تو حدیث معنعن ہوئی اور اصول حدیث کا مسلم قاعدہ ہے کہ معنعن مدلس غیر محتج ہے بالاتفاق چنانچہ امام نووی رحمتہ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے واتفقو علی ان المدلس لا یحتج بعنعنتہ محدثین کا اتفاق ہے کہ عنعنہ مدلس کا قابل حجت نہیں۔

(۵) یہی وائل ابن حجر مدّ کے بجائے خفض سے روایت کرتے ہیں چنانچہ امام ابن ابی شیبہ (جو امام بخاری و امام مسلم کے استاد ہیں) نے روایت کی ہے کہ حدثنا وکیع قال ثنا سفیان عن سلمہ بن کہیل عن حجر بن عنبس ولا الضالین فقال آمین خفض بہاصوتہ حضرت وائل بن حجر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ جب ولا الضالین پڑھتے تو آمین آہستہ پڑھا۔ اس حدیث کے وہی راوی ہیں جو حدیث اول کے راوی ہیں سوائے وکیع کہ کہ وہ

بڑا معتبر اور مروی عنہ سنتہ کا ہے قال نے التقریب وکیع ابن الجراح ابن ملیح الرواسی ابو سفیان الکوفی ثقتہ حافظ عابد امن کبار عتہ مات فی آخر التاسعتہ اداول سنتہ سبع وتسعین ولہ ستون سنتہ (تقریب) میں کہا کہ وکیع بن جراح بن ملیح راوسی ابو سفیان کوفی ثقتہ حافظ عابد ہے کبار تاسعہ سے ہے آخر سنہ چھیانوے یا ستانوے میں فوت ہوا اور عمر اسکی ستر برس کی تھی۔

غیر مقلدین کی پیش کردہ روایت کے یہ حدیث بظاہر مناقض ہے اور قاعدہ مناظرہ ہے فاذا تعارضا تساقطا اور اگر سفیان بن عینیہ راوی ہو تو وہ بھی مدلس بلکہ مختلط ہے کمافی التقریب اور ترمذی کا اس حدیث کو حسن کہنا موجب صحتہ احتجاج نہیں کیونکہ تدلیس منافی صحتہ وحسن کے نہیں بلکہ باوجود صحتہ کے لایق احتجاج نہیں

سوال:۔ تناقض مین اتحاد زمانہ شرط ہے پھر کیوں نہ کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی حضرت وائل بن حجر نے بالجہر سنا ہو اور کبھی بالخفاء اس تقریر پر تعارض نہ رہا۔

جواب:۔ چونکہ دونوں اسناد دونوں حدیثوں کے ایک ہیں اگر ایسا ہوتا جیسے غیر مقلدین کہتے ہیں تو حضرت وائل تغایر واقعتین ضرور بیان فرماتے ہم ان حدیثوں کے تاریخی وقوع سے بے خبر ہیں لہذا تعارض باقی رہا اس اعتبار سے دونوں روایات کا تساقط لازم آئے گا۔

جواب ۲:۔ ہم غیر مقلدین سے سوال کرتے ہیں کہ آمین بالجہر تمہارے نزدیک کیا ہے؟

جواب:۔ مدبوحدیث مذکور میں ہے اسکے لغت میں دو معنی ہیں (۱) مد بمعنی صوت بالجہر (۲) مد بہمزہ جیسے آمین ہم اس معنی کو لیتے ہیں تم پہلا معنی تو حدیث میں احتمال پیدا ہو گیا اور جب دلیل میں احتمال پیدا ہو جائے وہ قابل حجت نہیں رہتی جیسے علم المناظرہ کا قاعدہ ہے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال جب احتمال آجائے تو وہ استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

(۳) یہ بھی ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہر تعلیم کے لئے کہا ہو جیسے آپکی عادت کریمہ تھی کہ کبھی کبھی برائے تعلیم جہر قرات فرماتے تھے بخاری نے ابو قتادہ سے روایت کی ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرء فی الرکعتین من الظہر والعصر بفاتحۃ الکتاب (الحدیث)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے ظہر اور عصر کی دو رکعتیں اولین میں سورہ فاتحہ الکتاب کو اور فلاں فلاں سورہ کو اور ہم کبھی کبھی قراۃ و سنتے تھے۔ جیسے احیاناً ظہر و عصر میں فاتحہ و قراۃ کے جہر سے ان دونوں نمازوں میں قراۃ بالجہر ثابت نہیں ہو سکتی ایسے ہی احیاناً آمین بالجہر ثابت نہیں جب تک دو امر میں سے صراحتہ جہر ثابت نہ کریں استدلال اس حدیث سے صحیح نہیں۔

حدیث نسائی کے جوابات

جواب ۱:۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے فلہذا قابل حجت نہیں کیونکہ اس سند میں ابو ہلال لین الحدیث ہیں چنانچہ تقریب میں ہے۔

محمد بن سلیم ابو ہلال البصری صدوق فیہ لین۔ محمد بن سلیم ابو ہلال بصری صدوق ہیں لیکن لین الحدیث ہیں۔

اور بالاتفاق لین الحدیث قابل حجت نہیں چنانچہ نُخبہ اور اسکی شرح میں ہے۔

۲:۔ اس روایت سے آمین بالجہر کا استدلال کم علمی اور غلط فہمی کی علامت ہے اس لئے کہ آمین کا سن لینا اسکی جہریت پر اگر دلیل مل سکتی ہے تو ذیل کی حدیث (وغیرہ) سے بھی نوافل کی قرآت بالجہر لازم آتی ہے چنانچہ حدیث شریف ترمذی میں ہے کہ عن عبداللہ بن مسعود قال ما احصیت ما سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرء فی الرکعتین بعد المغرب وفی الرکعتین قبل صلواۃ الفجر بقل یاایہا الکفرون و قل ھو اللہ احد۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں نے کس قدر حضور علیہ السلام سے سنا ہے کہ آپ فجر کی دو سنت اور مغرب کی دو سنت میں قل یاایہا الکفرون اور قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔

جو جواب تمہارا اس روایت میں ہے وہی ہمارا جواب اخفائے آمین میں ہے۔

نوٹ:۔ یہی جواب روایت ابو داؤد ذیل کا ہے:۔ حدثنا نصر بن علی انا صفوان ابن عیسی عن بشر ابن رافع عن ابی عبداللہ ابن عم ابی ھریرہ عن ابیھریرۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تلا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین قال آمین حتی یسمع من یلیہ من الصف الاول۔

ایک اور حدیث نسائی و ابن ماجہ:- ان دونوں کی سند ملاحظہ ہو۔

اخبرنا عبدالحمید بن محمد ثنا یونس ابن ابی اسحاق عن ابیہ وفی روایۃ اخبرنا قتیبۃ ثنا ابو الاحوص عن ابی اسحق عن عبدالجبار بن وائل عن ابیہ و قال ابن ماجہ حدثنا محمد بن الصباح و عمار بن خالد الواسطی قالا حدثنا ابو بکر بن عیاش من ابی اسحق عن عبدالجبار ابن وائل عن ابیہ الحدیث۔

جواب:- اس سند میں ابو اسحق مختلط ہے اور یونس وہمی ہے فی التقریب یونس ابن اسحق السبعی الکوفی صدوق یہم قلیلا ابو اسحاق السبعی اختلط بآخرہ۔ تقریب میں ہے کہ یونس ابن ابی اسحاق السبعی کوفی صدوق ہے تھوڑا وہمی اور آخر عمر میں مختلط ہو گیا تھا۔

(۲) یہ حدیث راوی کے ضعیف ہونے کی وجہ ناقابل حجت ہے ہم اصل حدیث کامل سند کے ساتھ لکھتے ہیں تاکہ ناظرین فیصلہ کر سکیں کہ غیر مقلدین کتنا اور کیسے دھوکہ کرتے ہیں۔

قال ابن ماجۃ حدثنا محمد بن بشار حدثنا صفوان بن عیسی حدثنا بشر بن رافع عن ابی عبداللہ بن عم ابی ہریرۃ عن ابی ہریرۃ قال ترک الناس التامین و کان رسولہ اذا قال غیر المغضوب علیہم ولا الضالین قال آمین حتی یسمعہا اصل الصف الاول فیرتج بہا المسجد۔ اس سند میں بشر بن رافع راوی ضعیف الحدیث ہے تقریب میں اس راوی کو ضعیف الحدیث لکھا۔

(۳) یہ حدیث مضطرب ہے اس لئے کہ بعض طرق میں ارتجاج کا ذکر ہے اور بعض میں نہیں۔

(۴) تعلیماً بھی ہو سکتا ہے جسکے متعلق پہلے تفصیل گزری ہے اسکا موید اس حدیث میں لفظ ترک الناس بھی ہے۔

حدیث ۲:- یہ حدیث قابل حجت ہے ہم اسکی سند کامل لکھتے ہیں حدثنا محمد بن کثیر انا سفیان عن سلمہ عن حجر بن العنبس الحضرمی عن وائل بن حجر الخ ابوداؤد۔ (۱) ممکن ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیماً گاہے گاہے ایسا کیا ہو اور جو عمل تعلیماً ہو اور دائماً نہ ہو اس سے استدلال

نہیں کیا جا سکتا جیسے گذرا (۲) عنعنہ مدلس ہے فلہذا قابل حجت نہیں (۳) ہماری پیش کردہ آیات اور احادیث صحیحہ کے متعارض ہے اور جو روایت قرآن اور احادیث کے متعارض ہو اسپر عمل نہیں کیا جاتا (۴) اس سند میں محمد بن کثیر ہے اور وہ بالاتفاق کثیر الغلط ہے تقریب میں ہے محمد بن کثیر الغلط من صغار التاسعۃ محمد بن کثیر الغلط اور صغار راویوں کے تاسع طبقات سے ہے اور حدیث کثیر الغلط مردود ہے چنانچہ اصول حدیث کی مشہور کتاب نخبۃ الفکر میں ہے

ثم المردود ان یکون سقط راو او طعن الی ان قال ثم الطعن اما ان یکون لکذب الراوی او تہمۃ بذلک او فحش غلط پھر مردود جو بسبب سقوط راوی یا طعن کے ہو یا بسبب طعن کے تا آنکہ کہا کہ وہ طعن یا بسبب کذب راوی کے ہو گا یا بسبب تہمت کذب کے یا بسبب کثیر الغلط ہونے کے ہو گا۔

عن سمرۃ بن جندب انہ حفظ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکتتین سکتۃ اذا کبر و سکتۃ اذا فرغ عن قراۃ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فصدقہ ابی بن کعب رواہ ابو داؤد والترمذی و ابن ماجہ والدارمی (مشکوٰۃ)۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے دو سکتے یاد کئے (۱) تکبیر کے وقت (۲) امام کی فراغت از ولا الضالین کے وقت حضرت ابی بن کعبہ نے حضرت سمرہ بن جندب کی تصدیق کی۔

استدلال:- اس میں شک نہیں کہ بقرینہ مقابلہ و مقام یہ سکتہ ثانیہ بھی بمعنی سکوت ہے بلکہ قرأتہ خفیہ ہے اس لئے کہ سکتہ اولی ثنا۔ پڑھنے کے لئے ہے تو سکتہ ثانیہ بھی کسی شئے کے پڑھنے کے لئے ہو گا اور احادیث سے ثابت ہے کہ یہاں سوائے آمین پڑھنے کے اور کوئی شئے نہیں اس سے ثابت ہوا کہ آمین آہستہ پڑھنا چاہئے جیسے سکتہ اولی میں ثنا۔ وغیرہ بالخفا۔ ہوتی ہے۔

امام طیبی شافعی رحمۃ اللہ علیہ شرح المشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ:- والاظہر ان السکتۃ الاولی للثنا۔ و سکتۃ الثانیۃ التامین۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ سکتہ اولی ثنا۔ کے لئے اور سکتہ ثانیہ آمین کہنے کے لئے ہے۔

سوال:- یہ سکتہ (دوسرا) فاتحہ مع متعلقات کے بعد ہے اور آمین بھی متعلقات سے ہے؟

جواب:- بزرگوں نے سچ فرمایا ہے در غگوار حافظہ بناشد حدیث شریف میں الفاتحہ نہیں کہ جس میں متعلقات کو گھسیڑا جا سکے بلکہ ولاالضالین کی تصریح ہے اور علم اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ الخاص لایحتمل التکرار ولاالتاویل نماز میں نہ تکرار کا احتمال ہوتا ہے نہ تاویل کا (فافہم ولا تکن من الوہابیت)۔

جواب حضرت عبداللہ بن مفضل وانس رضی اللہ عنہما سے آمین آہستہ کہنا ثابت ہے (بیضاوی وکشاف) روی عن عمر بن الخطاب انہ قال یخفی الامام اربعۃ اشیاء التعوذ والسنا۔ وآمین وسبحانک اللہ وبحمدک۔ اللمعات شرح مشکواۃ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ امام چار چیزوں کو آہستہ کہے (۱) تعوذ (۲) بسم اللہ (۳) آمین (۴) سبحانک اللہم۔

روی عن بن مسعود اربع یخفیھن الامام وذکر من جملتہا التعوذ والتسمیۃ وآمین فتح القدیر لابن الہمام۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ امام چار چیزیں آہستہ کہے ان میں سے تعوذ تسمیہ وآمین ہے۔ عن ابیھریرۃ قال ترک الناس التامین الحدیث (رواہ ابن ماجہ) حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ لوگوں نے تامین (آمین کہنا) چھوڑ دیا تھا۔

ظاہر ہے کہ زمانہ ابوہریرہ زمانہ صحابہ تابعین کا تھا پس یہ اثر دال ہے اس پر کہ صحابہ و تابعین نے ترک جہر آمین پر اتفاق کیا تھا کیونکہ لام استغراق کا ہے اور قرینہ عہد موجود نہیں۔

خلاصہ

آمین بالاتفاق قرآن نہیں یہی وجہ ہے کہ اسے قرآن مجید میں اسکا رسم الخط قرآن کے خلاف ہوتا ہے اسی لئے احناف فرماتے ہیں کہ اسے جہری قرآۃ میں آہستہ پڑھا جائے تاکہ اسکی قرآن مجید سے مشابہت نہ ہو اس سے یہ لازم نہیں کہ قراۃ خفا کے وقت (آمین) کا جہر ہو تاکہ مشابہ بالقرآن نہ ہو اس لئے کہ قراۃ خفا میں آمین کے تشابہ کا خوف نہیں اسکا قیاس

جہری قرآۃ پر قیاس مع الفارق ہے۔

اگر کہیں کہ سنت ہے تو یہ روایت اسکی سنیت کے خلاف ہے اگر کہیں کہ مستحب ہے تو بھی یہ احتمال اسکے منافی ہے کہ بغیر ترجیح احد الطرفین مفید اباحتہ ہوتا ہے نہ کہ مستحب جیسا کہ مستحب کی تعریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فعل کا مرۃ یا مرتین ثبوت ہو اور اسکے مقابل عدم ثبوت فعل و ترک تمام اوقات میں ہے نہ کہ ثبوت عدم فعل فلہذا مباح ہو گا اور مباح غیر مقلدین کو مضر ہے۔

احناف کی حقانیت:- یہ روایت مدصوتہ کی تفسیر ہے اس لئے کہ مدصوتہ میں دو احتمال تھے جیسے ابتداء میں ہم نے عرض کیا وہی راوی اسی احتمال کو خود رفع کر رہے ہیں کہ مد بمعنی خفض ہے۔ اس تقریر پر ہماری پیش کردہ روایت اور غیر مقلدین کی پیش کردہ حدیث ہر دونوں احناف کے مسلک کی مؤید ہیں۔

عقلی دلائل (۱) تمام امت کا اجماع ہے کہ ماثبت بین الدفتین نجط القرآن فہو کلام اللہ (بیضاوی واتقان) جو دو کناروں کے درمیان میں قرآن میں ہے وہ کلام الہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسماء سور و تعداد آیات و کلمات و حروف وارباع وانصاف واثلاث وارباع ورکوعات وغیرہ قرآن مجید کے رسم الخط کے برخلاف لکھے جاتے ہیں یہاں تک کہ بسم اللہ میں بھی معمولی سا تغیر ہوتا ہے اس لئے کہ اس کے قرآن ہونے میں بعض صحابہ کا اختلاف ہے۔

قاعدہ ہے کہ جو شئے قرآن نہیں اسے پڑھتے وقت آہستہ پڑھنا واجب ہے یہی وجہ ہے کہ بسم اللہ شریف کو جہری نماز میں شوافع بالجہر پڑھتے ہیں لیکن حنفیہ آہستہ اس لئے کہ شوافع کے نزدیک بسم اللہ فاتحہ کا جزو ہے اور احناف کے نزدیک فاتحہ کا جزو نہیں۔

قولوا کی مثالیں جن میں جہر نہیں:- غیر مقلدین کی یہ دلیل صحیح ہو کہ قولوا جہر پر محمول ہے۔ تو چاہئے کہ تشہد اور ربنا لک الحمد و تسبیحات رکوع و سجود کا جہراً کہنا مسنون ہو چنانچہ الصحیحین والموطا والترمذی وابن ماجہ وغیرہا میں ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم قال اذ قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا اللھم ربنا لک الحمد الحدیث اورا لصحیحین و غیر ھما میں ہے ابن مسعود دانہ قال التفت الینار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اذا صلی احد کم فلیقل التحیات للہ (الحدیث) اورابی داؤد والترمذی وابن ماجہ میں ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذرکع احد کم فلیقل ثلث مرآۃ سبحان ربی الاعلیٰ وذالک ادناہ اور ان جملہ امور میں خفاء ہے چنانچہ ترمذی میں ہے عن ابن مسعور من السنتہ ان یخفی التشھد قال ابو عیسیٰ العمل علیہ عند اھل العلم واخرج ابن ابی شیبہ عن ابن مسعود انہ کان یخفی بسم اللہ الرحمن الرحیم والاستعاذہ وربنا لک الحمد۔

تعجب بر امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ:- امام بخاری رحمتہ اللہ نقل احادیث میں بلند پایہ سہی لیکن امام اعظم رضی اللہ عنہ کی فقاہت کے مقابلے میں انکے اس استدلال سے تعجب بالا تعجب ہے کہ اس حدیث کو آمین بالجہر پر دلیل طور لاتے ہیں جس سے غیر مقلدین پھولے نہیں سماتے اگرچہ یہ احادیث صریحہ کے خلاف ہے اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی فقاہت کے آگے امام بخاری طفل مکتب ہیں۔

(سوال) جزاء کا زمانہ شرط زمانہ کے بعد ہوتا ہے تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدیوں کے آمین کہنے کو امام کے ولاالضالین کہنے پر معلق فرمایا تو معلوم نہ ہوا کہ اس وقت آمین کہیں یا نہ تو دوسری حدیث میں آپ نے بیان کر دیا کہ مقتدیوں کے آمین کہنے کا وقت امام کے وقت ہے۔

جواب ا:- زمانہ جزا کا شرط سے بعد کبھی نہیں ہوا بلکہ دونوں کا زمانہ ایک ہی ہے اس لئے کہ یہ علۃ و معلول یا سبب و مسبب ہیں اور ان دونوں کا زمانہ ایک ہوتا ہے اہل عربیتہ کہتے ہیں کہ ان دونوں میں اتحاد زمانہ ہے اس لئے کہ حکم جزاء میں ہے اور شرط بمنزلہ قید وحال کے لئے اور حال و ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے ہاں تقدم ذاتی شرط کو حاصل ہوتا ہے اور اسمیں ہماری گفتگو نہیں

(۲) اگر یہی بات مسلم ہو تو حدیث اذا امن الامام فامنو میں بھی یہ قاعدہ جاری ہو گا کہ یہاں بھی بعدیت زمانی محقق ہے تو یہاں سے بھی عقدہ حل نہ ہو گا کہ مقتدی کس وقت امام کے بعد آمین کہے۔

(۳) احادیث تسمیع و تشہد و تسبیح میں تمہارا کیا جواب ہے۔ جبکہ اجمال وابہام یہاں بھی ہوا اس سے ثابت ہوا کہ ولاالضالین پر تعلیق کرنا ہی موجب اخفائے آمین ہے۔

سوال:- اخرج الشیخان و غیرھما عن ابیھریرۃ قال قال رسو اللہ اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولاالضالین فقولو آمین انہ وافق تامینہ تامین ملایکتہ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ۔

(جواب) تعجب ہے کہ بعض غیر مقلدین نے اس روایت سے بھی آمین بالجہر پر استدلال کیا ہے حالانکہ یہ روایت ہماری مؤید ہے جسکی مختصر تشریح فقیر نے باب اول میں بیان کر دی ہے اور ظاہر ہے کہ کہنے کا حکم ہے اور قولو میں ضروری نہیں کہ جہر سے ہو قول جیسے جہر میں ہوتا ہے ایسے خفاء سے بھی (ولکن الوہابیہ قوم لا یعقلون) کہتے ہیں ورنہ سب کو معلوم ہے کہ غیر مقلدین آمین کے وقت کتنا زور لگاتے ہین اور ایسا شور برپا ہوتا ہے کہ محلہ کے چھوٹے بچے نیند سے ڈر کے مارے جاگ اٹھتے ہیں کہ نامعلوم کیا آفت نازل ہو گئی۔

سوال:- اگر آمین دعاء ہے اور ہر دعا آہستہ ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات دعائیں۔ جہر سے بھی پڑتے تھے۔

(جواب) اسکی تفصیل گذر چکی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی۔ جہر تذکیر و ترغیب یا تعلیم وغیر کے لئے کیا ہے تو وہ شے آخر ہے جو ہمارے دعویٰ کے منافی نہیں کیونکہ بات اصل ہو رہی ہے کہ دعاء میں اصل کیا ہے وہ ہے خفاء اصل کے خلاف عارضہ کے طور پر اگر کوئی بات ثابت ہو تو اصل مقصد کے خلاف نہیں سمجھا جاتا۔

الحمد للہ فیقر نے اپنی استطاعت پر آمین کو آہستہ کہنے [illegible]

دیئے ہیں مولیٰ عزوجل بطفیل حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قبول فرمائے (آمین)

فصلی اللہ علی حبیبہ الکریم وعلی آلہ

واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ

۱۱ رمضان ۱۴۱۶ھ

القول الصواب فی ترک المسح علی الجراب

تصنیف

شیخ الحدیث والتفسیر فیض ملت

حضرت علامہ محمد فیض احمد اویسی صاحب

فہرست آمین بالجہر

آئینہ دیوبند

مدحت فیض احمد کی

حضرت صاحب تصانیف کثیرہ استاذ الاساتذہ مفسرِ قرآن
علامہ محمد فیض احمد اویسی مدظلہ

از خلیل احمد خلیل فریدی (بہاولپور)

زباں کیسے کرے گفتار مدحت فیضِ احمد کی
ستونِ دینِ احمد ہے امامت فیضِ احمد کی

تصانیف کثیرہ ہے کتابیں لکھیں پندرہ سو
تعصب برطرف دیکھو یہ محنت فیضِ احمد کی

کیا تفسیر روح البیان کا اُردو میں ترجمہ
مکمل تیس پارے ہیں یہ ہمت فیضِ احمد کی

اکیلا بھی مذاہب باطلہ پر حاوی ہو بیٹھا
محض درویش سادہ لوح طبیعت فیضِ احمد کی

جھگڑتے آئے ہیں برسوں سے لبستہ دشمنانِ دیں
قدم ہلنے نہیں پائے عزیمت فیضِ احمد کی

عمر ہیں فیضِ احمد دینِ احمد کو نہیں بھولے
مگر دیں بھی نہیں بھولے گا خدمت فیضِ احمد کی

عجب خوشبوئیں آتی ہیں مفسر کی محدث کی
میں جب بھی دیکھتا ہوں بس ذہانت فیضِ احمد کی

سنو لوگو! بہاولپور چراغِ علم روشن ہے
ہے درس گاہ عظیم الشان عمارت فیضِ احمد کی

ماہِ رمضان روضہ پاک کی چھاؤں میں رہتے ہیں
مجھے تو اس لئے ہے بس محبت فیضِ احمد کی

خلیل اپنا ہے گھر مذکور جامعہ کی حدود اندر
روزانہ ہو ہی جاتی ہے زیارت فیضِ احمد کی

بیاد تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم محمد مصطفےٰ رضا قادری نوری رضی اللہ عنہ

رد غیر مقلدین میں علامہ فیض احمد اویسی صاحب کے رسائل کا مجموعہ

غیر مقلدوں کا آپریشن

حضور مفسر اعظم پاکستان، فیض ملت، شیخ القرآن و حدیث، خلیفہ مفتی اعظم ہند

تصنیف: علامہ الحافظ مفتی پیر محمد فیض احمد اویسی رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ناشر: جماعت رضائے مصطفےٰ

اورنگ آباد، مہاراشٹر

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيۡكَ يَارَسُوۡلَ الله

اذان سے قبل درود وسلام پڑھنا

تصنیفِ لطیف

شمس المصنفین، فقیہ الوقت، فیضِ ملّت، مُفسرِ اعظم پاکستان

حضرت علامہ ابوالصالح مفتی محمد فیض احمد اُویسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ناشر: جماعت رضائے مصطفیٰ

شاخ اورنگ آباد، مہاراشٹر

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

نحمدہ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم

ہم اہلِ سنت اذان سے قبل یا بعد "اَلصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ" پڑھتے ہیں، اس میں کسی قسم کی شرعی قباحت نہیں۔ اگر کسی کے پاس اس کی شرعی قباحت کا ثبوت ہو تو پیش کرے، صرف چونکہ چنانچہ، اگر مگر سے نہیں بلکہ شریعت کی تصریحات سے ورنہ ہم سمجھیں گے کہ ''محمد بن عبدالوہاب نجدی'' کی سنّت کو زندہ کرنا مطلوب ہے کہ اس نے ایک موذن کو قتل کرادیا تھا جس نے اذان کے بعد درود شریف پڑھا۔

ہم نے اس مسئلے کو دلائل سے بیان کیا ہے، اسے غور اور انصاف اور محض مسلمان ہو کر پڑھیے، اگر دلائل سے مسئلے کی تحقیق شرعاً صحیح ہے تو جی بھر کر پڑھیے، ورنہ دوسروں کو تو نہ روکیے۔

فقط والسلام

محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہ

بہاولپور

۱۷ر صفر المظفر ۱۳۹۵ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے میں کہ آج کل اہلِ سنّت کی مساجد میں عموماً اذان سے پہلے موذن بلند آواز سے "اَلصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ" پڑھتے ہیں۔ اس پر دیوبندی، وہابی فرقے کو مندرج وجوہ سے اعتراض ہے:

(۱) بدعت ہے یہاں تک کہ اہلِ سنّت کے امام اور اسی صدی کے مجدد مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے زمانے تک بھی اس کا رواج نہیں تھا بلکہ ابھی چند سال ہوئے اس کا رواج پڑا ہے۔

(۲) عباداتِ معینہ میں اضافہ ہے، مثلاً چار رکعت کے ساتھ پانچویں رکعت ملانا یا دو رکعت کے ساتھ تیسری رکعت کا اضافہ حرام اور اشد حرام ہے۔ اسی طرح یہ اذان بھی ایک معینہ عبادت اور اس کے مخصوص کلمات ہیں، اسی لیے اس پر دُرود کا اضافہ کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔

(۳) جس فعل کا کسی زمانے میں رواج پڑ جاتا ہے آنے والی نسل کو التزاماً کرنا پڑے گا اور وہ اسے اذان کا کا الجزء سمجھ کر شرعی امر میں ایک ناجائز اضافہ کریں گے جس کا گناہ دورِ حاضرہ کے اہلِ سنّت کے علما اور عوام کے سر رہے گا، وغیرہ وغیرہ۔

الجواب

بیدہ ازمۃ التحقیق والصواب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تمہید

قبل از تحقیق چند ضروری باتیں ذہن نشین ہونی چاہئیں:

(۱) اہلِ سنّت اور وہابیوں دیوبندیوں کا اختلاف عوام کے لیے حیران کن ہے اور یہ ہمارے تمہارے مٹانے کا نہیں، حضرت مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ کر مٹائیں گے۔

(۲) جسے دین سے معمولی تعلق ہے وہ جانتا ہے کہ اہلِ سنّت عشقِ مصطفی ﷺ سے سرشار ہیں اور وہابی دیوبندی اس نعمت سے محروم ہیں۔ اہلِ سنّت جس مسئلے کو دائرۂ شرع میں رہ کر عشقِ نبوی ﷺ سے شروع کرتے ہیں وہابی دیوبندی چونکہ عشقِ نبوی ﷺ سے فارغ ہیں اس لیے بدعت کی آڑ لے کر برسرِپیکار ہوجاتے ہیں۔ اگرچہ عشقِ نبوی ﷺ کے غیر متعلق ہزاروں بدعات کے خود بھی مرتکب ہوتے ہیں بلکہ انہیں عین اسلام مانتے ہیں، چنانچہ تفصیل آئندہ چل کر عرض کروں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

(۳) جن اُمور کو بدعت، بدعت کی رٹ لگاتے ہیں پھر سیاسی طور پر یا غرضِ دنیوی اور طمع نفسانی کے تحت اس کے عامل بھی ہوتے ہیں مثلاً ''میلاد النبی ﷺ'' بہ ہئیت کذائیہ ان کے نزدیک حرام ہے، لیکن میلاد شریف کے لیے بلاؤ تو فوراً تشریف لائیں گے۔ اسی طرح سلام وقیام ان کے نزدیک بدعت ہے لیکن شامل ہوجائیں گے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مزارات سے دور بھاگتے ہیں، اور مزاراتِ اولیاءِ کرام کی آمدنی تو ان کے نزدیک ''لَحۡمَ الۡخِنۡزِیۡرِ'' (معاذ اللہ) سے کم نہیں، مگر اب محکمۂ اوقاف کی تمام سیٹیں ایسے سنبھالی ہیں کہ گویا مزارات کے حقیقی متولی بھی یہی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

(۴) اعمال کا دارومدار نیات پر ہے، کوئی عمل ایسے حرام اور ناجائز نہیں ہوجاتا جب

تک اس میں نیت اور قصد کو دخل نہ ہو۔ فتویٰ اسی نیت اور قصد پر مرتب ہوگا جس کی ترجمان زبان ہے، لیکن یہ حضرات رجالاً بالغیب کے طور ہمارے متعلق بے پَر کی اُڑاتے رہتے ہیں مثلاً ہمیں کہتے ہیں کہ یہ مزارات کو سجدہ کرتے ہیں اور اہلِ مزارات کو مستقل طور پر مشکل کشا اور حاجت روا وغیرہ وغیرہ مانتے ہیں۔ حالانکہ ہم مزارات کے سجدے کو حرام سمجھتے ہیں۔ ہمارے امام برحق اسی صدی کے مجدد سیدنا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ نے صرف اسی موضوع پر ایک رسالہ ''الزبدۃ الزکیہ فی تحریم سجود التحیہ'' تحریر فرمایا ہے اور ہم بفضلہٖ تعالیٰ انبیا و اولیا کو اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے حوائج و ضروریات کے لیے وسیلۂ عظمیٰ مانتے ہیں، جس کے متعلق ہماری سینکڑوں تحریریں موجود ہیں۔ ان افترا پردازوں کے لیے ہم کچھ نہیں کہتے سوائے اس کے کہ انہیں ارشادِ باری سنا دیں کہ ''اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ'' (پارہ ۱۴، سورۃ النحل، آیت ۱۰۵)

بے شک جھوٹ کا افترا بے ایمان لوگوں کا کام ہے۔

(۵) بدگمانی کرنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اجۡتَنِبُوۡا کَثِیۡرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ۔
(پارہ ۲۶، سورۃ الحجرات، آیت ۱۲)

اے ایمان والو! بہت گمانوں سے بچو بیشک کوئی گمان گناہ ہوجاتا ہے۔

اور اہلِ باطن کا کُلیہ (اٹل فیصلہ) ہے کہ

ان الظن الخبیث ینبت من القلب الخبیث۔

بے شک بدگمانی خبیث قلب سے پیدا ہوتی ہے۔

(۶) ہر نو ایجاد عمل بدعت نہیں بلکہ وہ قول و فعل عملِ بدعت ہے جو شریعت مطہرہ کا مقابلہ کرے اور اسی کے ارتکاب سے مطہرہ کوئی سنت مٹ جائے بلکہ جس عمل سے دین کو فائدہ پہنچے وہ اگرچہ جس زمانے میں ایجاد ہو تو اس نو ایجاد فعل (بدعتِ حسنہ) سے ثواب ملتا ہے جیسے مسجد کے محراب (بہ ہئیت کذائیہ) بدعتِ حسنہ ہے لیکن اسے نہ حرام کہا جاتا ہے،

نہ بدعت بلکہ ہر مسجد میں بنایا جاتا ہے اور بنانا ثواب ہے۔ اس مسئلے کی تحقیق کے لیے فقیر کا رسالہ "تحفة الاریب فی بدعات المحاریب" پڑھیے۔

(۷) جو قرآنی حکم مطلق یا عام ہو اسے محض اپنے قیاس سے مقید نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اسی زمانہ یا وقت کا پابند کیا جاسکتا ہے جب تک کہ اس کے لیے دلیلِ شرعی نہ ہو۔

(۸) اُمورِ شرعیہ میں کسی قسم کا اضافہ اس وقت ناجائز ہے جب کہ اسی اضافہ کو واجب اور ضروری سمجھا جائے یا متعینہ اُمور کی ہیئت تبدیل کی جائے یا اس کے تعین میں کمی بیشی کی جائے، ورنہ بطریق استحباب اور بلا تغیر اُمورِ متعینہ ہر طرح کا اضافہ جائز ہے۔ ہزاروں مثالیں فقیر نے اپنی کتاب "العصمة عن البدعة" میں بیان کی ہیں۔

(۹) شریعت مطہرہ کا قانون ہے کہ دین کو جب بھی ضرورت پڑے، بوجہ ضرورت فعل کا اضافہ جائز ہے۔ خیر القرون ہو یا قرونِ ثلاثہ کے بعد مثلاً خیر القرون میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس تراویح پر ایک امام کے پیچھے قرآن سننے کا اہتمام فرمایا تو عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمعہ کی اذان کا اضافہ فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تدوین و ترتیب حدیث کے علاوہ مساجد کے محراب بنوائے، حجاج بن یوسف نے قرآن پاک کے تیس پاروں پر ۱۱۴ رسورتوں کو منقسم کیا، صدیوں بعد فقہائے کرام نے تثویب کا اضافہ نماز میں زبان سے نیت کرنے کی بدعت نکالی وغیرہ وغیرہ۔ اس کی تفصیل فقیر کی کتاب "العصمة عن البدعة" میں ہے۔

(۱۰) ہر مباح مسئلے پر قرآن وحدیث کی دلیل طلب کرنا گمراہوں کی نشانی ہے، ورنہ اسلام کا حکم یہ ہے کہ مسئلے کے انکار کرنے والے کو انکار کی دلیل پیش کرنا ضروری ہے چنانچہ فقہائے کرام نے ضابطہ بتایا "اَلْاَصْلُ فِی الْاَشْیَاءِ الْاِبَاحَةُ" (الاشباہ والنظائر، باب هل الاصل فی الاشیاء الاباحة او الحظر او التوقیف، جلد ا، ص ۵۷) یعنی تمام اشیا ہمارے لیے مباح ہیں۔ پھر جس شئے کو کوئی حرام کہے گا تو اس حرام یا ناجائز ہونے کے لیے دلیل اس پر لازم ہے۔ ہمارے اوپر جتنے ہمارے مسائل و مراسم و معمولات ہیں اکثر اسی

قاعدے پر چلتے ہیں۔ عوام پر لازم ہے کہ جس مسئلے کو وہابی دیوبندی حرام یا ناجائز کہتے ہیں ان سے دلیل مانگیں مثلاً یہی "صلوٰۃ وسلام" جو ہم پڑھتے ہیں، اسے جو ناجائز کہتا ہے اس پر لازم ہے کہ کوئی آیت وحدیث دکھائے ورنہ خدا اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہیں روکتے تو اب یہ کون ہیں روکنے والے۔ ان قواعد کو ضوابط کے بعد اس مسئلے کے متعلق ہمارا مؤقف سنیے۔

ہمارا مؤقف

اذان کے کلمات میں کسی طرح کا اضافہ حرام ہے نہ پہلے نہ بعد کو نہ درمیان میں، البتہ اگر کوئی اذان سے پہلے کوئی الفاظ کسی وجہ سے بڑھاتا ہے جنہیں نہ وہ واجب سمجھتا نہ سنّت، نہ انہیں اذان کا جز مانتا ہے تو کوئی حرج نہیں۔ مثلاً کوئی شخص اذان سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھے یا کوئی اور کلمات پڑھ کر اذان پڑھے تو کون سا سر پھرا ہے جو اسے حرام کہے، خواہ اس بسم اللہ کو زور سے پڑھے یا آہستہ، التزاماً پڑھے یا کبھی کبھی۔ اسی طرح درود شریف سمجھیے، جیسے برکت کی خاطر ہر کام سے پہلے بسم اللہ شریف کے متعلق روایت ہے ایسے ہی درود شریف کے متعلق بھی مطلقاً روایتیں ملتی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہابی دیوبندی بسم اللہ شریف پڑھنے کے لیے تو نہیں چونکتا لیکن اگر کوئی درود شریف پڑھتا ہے تو چیختا ہے کہ یہ بدعت ہے، حرام ہے وغیرہ وغیرہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسے اس درد سے کوئی جلن ہے اور وہ کیوں، ان شاء اللہ تعالیٰ آگے چل کر عرض کروں گا۔

درود شریف کا پڑھنا کسی وقت ممنوع نہیں

اللہ تعالیٰ نے ہر عبادت کا وقت مقرر فرمایا ہے، لیکن درود شریف ایک ایسی عبادت ہے کہ جب پڑھو، جہاں پڑھو، جس طرح پڑھو ہر طرح سے مقبول ومحبوب ہے۔ البتہ چند اوقات اور مقامات کو محدثین کرام نے مستثنیٰ فرمایا ہے، وہ بھی شانِ رسالت کے پیش نظر ہیں۔ پیشاب پاخانہ کے وقت، صحبت کے وقت، اشیا فروخت کی بولی لگانے کے وقت، ٹھوکر کھا کر، جانور ذبح کرنے کے وقت، چھینک کے وقت اور تلاوتِ قرآن کے درمیان

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی آنے پر۔

اب دیو بندیوں وہابیوں پر فرض ہے کہ وہ اذان سے قبل درود شریف کی ممانعت کی وجہ بتائیں۔ ہمارا چیلنج ہے کہ وہ نہ بتا سکتے ہیں اور نہ بتانے کا ان کا طریقہ ہے، وہ تو صرف بدعت کے عاشق ہیں اور ایسے کسی مسئلے کو بدعت کہہ دینے سے وہ مسئلہ بدعت نہیں ہو جاتا ہے، جب تک شرعی دلیل نہ ہو۔

بفضلہٖ تعالیٰ ہمارے پاس دلیل ہے کہ مسلمان کو اذان سے مطلقاً درود شریف پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے اور بہ ہیئت کذائیہ نہ سہی مسجد میں داخل ہونے سے قبل درود شریف پڑھنے کا ثبوت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ملتا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت بھی "بسم الله اللهم صل علیٰ محمد" کہنا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا۔ (نسیم الریاض، مواہب لدنیہ، زرقانی وغیرہ وغیرہ)

الحمد للہ سنّی مسلمان اذان سے پہلے بسم اللہ شریف بھی پڑھتا ہے اور درود شریف بھی، وہ دونوں عمل مسجد میں داخلے سے پہلے ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ ہمارے نزدیک مسجد سے باہر اذان کہنا ضروری ہے، جو اندر دیتے ہیں وہ ان کی غلطی ہے۔ اب روایت مذکور میں اذان کی قید کے قطع نظر درود شریف پڑھنا ثابت ہوا اور "اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ الله" بھی درود شریف ہے۔ چنانچہ اس کی تحقیق ہدیۂ ناظرین ہوگی۔ ان شاء اللہ

قبل اذان صلوٰۃ وسلام کی ضرورت کیوں؟

بہت سے کمزور مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ قبل اذان صلوٰۃ وسلام ضد سے پڑھا جاتا ہے، اگر کوئی ضد سے پڑھتا ہے تو اس کی غلطی ہے ورنہ اس کی وجہ یہ ہے کہ عموماً آپ نے دیکھا ہوگا کہ لاؤڈ اسپیکر کو درستی اور خرابی معلوم کرنے کے لیے لوگ کہا کرتے ہیں "ہیلو ہیلو" یا کہتے ہیں "ون، ٹو، تھری" وغیرہ پھر مساجد میں ان کا رواج بلکہ اب تو مساجد کا لازمی جز سمجھا جا رہا ہے تو ہمارے اہلِ سنّت (جنہیں اسلام کا حقیقی درد اور انگریز بد بخت سے ازلی

دشمنی) کو گوارا نہ ہوا، انہوں نے انگریزی الفاظ کو مٹا کر "درود شریف" ورد کیا تاکہ لاؤڈ اسپیکر کی نبض کا پتہ بھی چل جائے اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حق ادا ہو جائے اور اسلام کا بھی بول بالا ہو اور پھر درود شریف پڑھنے پر وہ ہزاروں فوائد و فضائل بھی نصیب ہوں جنہیں فقیر ابھی عرض کرتا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ اور چونکہ یار لوگوں (وہابیوں، دیوبندیوں) کو انگریز سے پیار اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عداوت، اسی لیے صرف بدعت کی آڑ میں شور مچایا کہ اذان سے پہلے درود شریف پڑھنا بدعت ہے حالانکہ لاؤڈ اسپیکر کے متعلق معلوم کرنا ہے پھونک ٹھونگا مار کر یا وہی انگریزی الفاظ بول کر، پھر کیوں نہ ہو کہ درود شریف پڑھا جائے کہ جس سے ہزاروں سعادتیں نصیب ہوں اور مطلب بھی پورا ہو۔

دوسری وجہ

یہ اپنے مقام پر مسلم ہے کہ ہم اہلِ سنّت کے نزدیک وہابیوں دیوبندیوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی اور ان کے اکابر لکھ گئے ہیں کہ ان کی ہم اہلِ سنّت بریلویوں کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ عموماً وہابی دیوبندی چوری چھپے سنّی بن کر پیٹ کا دھندا کیا کرتے ہیں اور ایسے ہی عوام کو امتیاز نہیں ہوتا کہ اہلِ حق کی اذان ہے یا اہلِ زاغ کی، تو ہم نے "درود شریف" حق و باطل کے امتیاز کے لیے پڑھا، اس سے ایک طرف پیٹ کا دھندا کرنے والا ہماری مساجد کا امام نہیں بن سکتا، دوسری طرف ہمارے عوام کی نمازیں ضائع نہیں جا سکتیں۔

شریعت کا قاعدہ اور تیسری وجہ

شرعِ مطہرہ نے قاعدہ اور ضابطہ قائم کیا ہے کہ جہاں مختلف مذاہب کا التباس ہو تو وہاں اپنے شعار کو نمایاں کرو، چنانچہ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانے میں نصرانیوں، یہودیوں سے اسلامی لوگوں کا امتیاز پگڑی وغیرہ سے کرایا، پگڑی باندھنا فرضِ عین نہیں لیکن نصرانیوں، یہودیوں کو علیحدہ رکھنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پگڑی اسلام کا شعار بنا دیا۔ ہم نے وہابیوں دیوبندیوں سے اپنی نمازوں اور مساجد کو دور رکھنے کے لیے صلوٰۃ وسلام کو شعار بنایا ہے۔

بلکہ ضروری

خود دیوبندیوں نے فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں لکھا ہے کہ ہندوؤں کی ضد میں گائے کی قربانی زیادہ ضروری ہے تاکہ اسلام کی شوکت میں اضافہ۔ ہو یہاں تک کہ ہفت روزہ ''شہاب'' میں حضرت مولانا محمد یعقوب اہلِ سنّت بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق گائے کے جلوس کی ایک عجیب و غریب داستان لکھی ہے، جسے فقیر نے اپنی کتاب ''تذکرۂ علمائے اہلِ سنّت'' میں لکھا ہے۔

اب جب کہ یہ لوگ "اَلصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ" کے دشمن ہیں تو ہمارا فرض ہو گیا ہے کہ ان کے اس غلط طریقے کو مٹانے کے لیے ہر وقت پڑھیں اور بالخصوص جس ہیئت سے روکیں، ہم اُس ہیئت سے پڑھیں تاکہ شوکتِ اسلام کا بول بولا اور بدبختوں کا منہ کالا ہو۔

وجوہ مذکورہ بالا سے عوام کو ذہنوں سے یہ بات علیحدہ کر دینی چاہیے کہ اذان سے پہلے اب درود شریف کا رواج کیوں ہوا حالانکہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ شرع مطہرہ کا قاعدہ ہے کہ احکام شرعیہ کی ہیئت کذائیہ ضرورتِ زمانہ کے مطابق تبدیل ہوتی ہے۔ حضرت امام شامی قدس سرہ نے دلائل سے ثابت کیا ہے "تبتدل الاحکام تبدیل الازمان" اور مخالفین کا زعم ٹوٹ گیا کہ اذان سے پہلے بہ ہیئت کذائیہ درود شریف بدعت ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ ضرورت کے تحت جائز ہے، اسے شرع مطہرہ سے کسی قسم کی رکاوٹ نہیں، تو اب درود شریف کے فوائد و فضائل بھی ذہن نشین فرمائیے تاکہ منکر بدقسمت کسی طریق سے غلط فہمی میں مبتلا نہ کر دے۔ حضور اکرم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے کے فوائد اتنے بے شمار ہیں کہ حد و شمار سے باہر ہیں، ان کا ضبط ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ ان میں بعض کو علما و محدثین نے اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے، جنہیں فقیر نہایت اختصار کے ساتھ عرض کیے دیتا ہے تاکہ مصنف مزاج کو حقیقت تک پہنچنے اور اتنی بڑی سعادت حاصل کرنے میں آسانی ہو۔

فوائدِ درود شریف

(۱) سب سے بڑا اور اہم فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تابعداری حاصل ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ درود بھیجنے میں اس کو موافقت نصیب ہو جاتی ہے۔

(۲) اس پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، دس درجے بلند ہوتے ہیں، نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، دس برائیاں محو کر دی جاتی ہیں۔

(۳) اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی شفاعت لازمی ہو جاتی ہے۔

(۴) قیامت میں اسے رسول اللہ ﷺ کا قرب حاصل ہوگا اور اس ہولناک دن میں حضور اکرم ﷺ اس کے جملہ اُمور کے متولی ہو جائیں گے۔

(۵) اس کے تمام اُمور و حاجات اور مہمات کے لیے درود شریف کفایت کرے گا۔

(۶) کثرت[1] سے درود شریف پڑھنے والے سے سختیاں ٹل جاتی ہیں، خوف دور ہو جاتا ہے، بیماریوں سے شفا حاصل ہوتی ہے۔

(۷) رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے، حضور اکرم ﷺ اس سے محبت فرماتے ہیں۔

(۸) مہتم آدمی بری الذمہ ہو جاتا ہے، دشمنوں پر غلبہ اور فوقیت حاصل ہوتی ہے۔

(۹) اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے۔ ملائکہ اس کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں۔

(۱۰) اعمال اور مال و دولت دونوں کی تطہیر ہو جاتی ہے اور اس میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۱۱) دل کی تطہیر ہو کر اس میں نیک خیال اور جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ بھلائی کی توفیق ملتی ہے، بدی سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور بُرے اعمال چھوٹ جاتے ہیں، دنیا و

[1] مؤذن کے دیگر اوقات کے علاوہ ہر اذان میں صلوٰۃ و سلام تین بار پڑھا جاتا ہے بلاناغہ کم از کم پندرہ بار ہو جاتا ہے اور عرفِ شرع میں یہ عدد بھی کثرت میں شامل ہے۔ اُویسی غفرلہ

آخرت میں رُشد وہدایت حاصل ہوتی ہے۔

(۱۲) فارغ البالی اور تمام کاموں میں برکت ہوتی ہے اور یہ نعمت و برکت اس کے مال و اسباب اور اولاد در اولاد حتی کہ چوتھی پشت تک کو حاصل ہوتی ہے۔

(۱۳) طمانیتِ قلب حاصل ہوتی ہے، سکراتِ موت آسان ہوجاتی ہے۔

(۱۴) روزگار اور معیشت کی تنگی دور ہوجاتی ہے اور دنیا کے مہلکات سے خلاصی نصیب ہوتی ہے۔

(۱۵) بھولی ہوئی بات اس کی برکت سے یاد آجاتی ہے، فقر و فاقہ اس کی برکت سے جاتا رہتا ہے۔

(۱۶) اقسامِ بخل و جفا اور ہلاکت کی بدُعا سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

(۱۷) درود شریف کی مجلسوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے۔

(۱۸) درود شریف کی کثرت سے حضور اکرم ﷺ کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے اور اس سے مزید شوق و اُلفت پیدا ہوتی ہے اور آپ ﷺ کے محاسن شریفہ دل میں داخل ہوتے اور کثرتِ برکت سے آنکھ میں متخیل ہوجاتے ہیں بشرطیکہ کامل توجہ اور حضورِ قلب کے ساتھ پڑھے۔

(۱۹) درود شریف کی برکت سے مسلمانوں میں باہمی الفت و محبت پیدا ہوتی ہے۔

(۲۰) درود شریف پڑھنے والے کے نامۂ اعمال میں گناہ درج کرنے سے فرشتے تین دن تک رُکے رہتے ہیں۔

(۲۱) فرشتے درود شریف پڑھنے والے کی غیبت سے لوگوں کو باز رکھتے ہیں۔

(۲۲) درود شریف پڑھنے والا قیامت کے دن عرشِ الٰہی کے سایہ تلے ہوگا۔ اس دن کی پیاس سے محفوظ رہے گا۔

(۲۳) درود شریف میں ذکر و شکر الٰہی بھی شامل ہے۔ اس سے معرفتِ حق اور اقرارِ حق نصیب ہوتا ہے۔

(۲۴) درود شریف پڑھنے کا ایک عظیم اور کامل فائدہ یہ ہے کہ اس کا نام حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش ہوتا ہے۔

(۲۵) اور ان فوائد و ثمرات میں سب سے بڑا فائدہ اور فضیلت یہ ہے کہ درود و سلام پیش کرنے والے کو نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ بنفس نفیس جواب سے مشرف فرماتے ہیں۔

فقیر اُویسی عرض کرتا ہے:

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

میرے مولیٰ درود اور سلام ہمیشہ ہمیشہ بھیج اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تمام مخلوق میں افضل و برتر ہیں۔

ناظرین

غور فرمایئے کہ صلوٰۃ و سلام پڑھنے سے کتنے فوائد نصیب ہوئے، لیکن وہ بدقسمت کتنا بدبخت ہے جو صرف بدعت کی آڑ میں نہ خود پڑھتا ہے، نہ دوسروں کو پڑھنے دیتا ہے اور پھر شرعی رکاوٹ بھی کوئی نہیں۔ یہ صرف اسی تعصب اور گروہ بندی کی کارفرمائی ہے ورنہ جسے عشقِ مصطفی ﷺ نصیب ہے وہ اس طرح کی ہیرا پھیری نہیں کرتا۔ اس لیے کہ

عاشقانِ را بدلیل چہ کار

لیکن باوجود ایں ہمہ ہمارے ہاں دلیل نہیں دلائلِ ساطعہ ہیں... صرف برہان نہیں براہینِ قاطعہ ہیں۔ پھر خوش قسمتی یہ بھی ہے کہ درود شریف والے کو مندرجہ ذیل مژدۂ بہار بھی سنایا گیا ہے کہ جو شخص نبی کریم ﷺ پر درود شریف بھیجتا ہے اس کو خواب اور بیداری میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی سعادت میسر آتی ہے۔

خوب شد

بفضلہٖ تعالیٰ اذان سے پہلے "اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللہِ" کا ورد ہم اہلِ سنّت کو نصیب ہوا اور اس کی برکت سے ہزاروں کو دولتِ دیدار حبیبِ کردگار ﷺ سے نوازا گیا۔ چنانچہ ہماری مسجد سیرانی شریف کے مؤذن "صوفی محمد بخش حلوائی"

کوخواب میں سرکارِ کونین ﷺ کی زیارت کا شرف ملا تو اسی ''صلوۃ وسلام'' کی برکت سے۔ ایک دفعہ فقیر نے خواب میں دیکھا کہ ایک دربار پُروقار میں مؤذنین کو حاضری کا موقع دیا جارہا ہے۔ کسی نے وہابیوں غیر مقلدوں کے ظہیر ماسٹر کو پیش کرنا چاہا تو حکم ہوا اسے آنے کی اجازت نہیں۔ پھر صوفی صاحب موصوف کی باری آئی تو انہیں دربار کے اندر جانے کا شرف ملا، یہ صرف اسی لیے کہ اذان کے بعد اور کبھی پہلے بھی ''صلوٰۃ وسلام'' درد بھرے لہجہ میں پڑھتے ہیں۔

درود شریف کے فضائل

جب ثابت ہو گیا اور ہم آگے وضاحت سے ثابت کریں گے کہ ''اَلصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ'' بھی درود ہے تو پھر اس کے فضائل بھی ذہن نشین ضروری ہیں، ممکن ہے کسی کی قسمت بیدار ہو۔ اگرچہ درود شریف کے فضائل ان گنت ہیں چند ایک ملاحظہ ہوں:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ (مسلم)

(۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے سامنے میرا نام لیا جائے ا۔ ، چاہیے کہ مجھ پر درود پڑھے اور جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اُس پر دس مرتبہ درود بھیجے گا، اس کی دس خطائیں معاف فرمائے گا اور اس کے دس درجے بلند کرے گا۔ (احمد وغیرہ)

(۳) حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو مجھ پر سو دفعہ درود پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کی پیشانی پر بَرَاءَۃٌ مِّنَ النِّفَاقِ، وَبَرَاءَۃٌ مِّنَ النَّارِ۔

(المعجم الاوسط، باب المیم، من اسمہ محمد، جلد ۷، ص ۱۸۷، حدیث ۷۲۳۵)

یعنی یہ شخص نفاق سے بھی بَری ہے اور جہنم سے بھی آزاد ہے، لکھ دیتا ہے اور قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ اس کا حشر فرمائے گا۔

(۴) حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت میں وہی شخص مجھ سے زیادہ قریب ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود بھیجے گا۔ (ترمذی)

(۵) حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ قبر میں ابتداً تم سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ (فضائل درود)

(۶) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے زمین پر گھومتے پھرتے رہتے ہیں اور میری اُمت کے سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔ (نسائی وغیرہ)

(۷) حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ تم جہاں کہیں ہو مجھ پر درود پڑھتے رہا کرو، تمہارا درود بلاشک میرے پاس پہنچتا رہتا ہے۔ (ترغیب)

(۸) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری قبر پر ایک ایسے فرشتے کی تقرری فرما رکھی ہے جسے تمام مخلوق کی بات سننے (سمجھنے) کی قدرت وقوت عطا فرمائی ہے، پس جو شخص بھی (کسی زبان میں) قیامت تک مجھ پر درود بھیجے گا، وہ فرشتہ مجھے اس کا درود یوں پہنچائے گا کہ فلاں ابن فلاں نے آپ ﷺ پر درود بھیجا ہے۔ (او کما قال) (ترغیب)

(۹) حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جہاں پر درود پڑھتا ہے میں اس کو خود سنتا ہوں۔ (جلاء الافہام لابن القیم)

(۱۰) دلائل الخیرات شریف میں ہے کہ اہلِ محبت کا درود شریف میں خود سنتا ہوں اور غیروں کا درود پہنچایا جاتا ہے۔

فائدہ

یہ تو ظاہر ہے کہ مومن ہی محبت سے پڑھتا ہے، جسے محبت نہیں وہ مومن ہی نہیں اور غیر وہی ہے جسے محبت نہیں۔ پھر پہنچایا جانا بھی آپ کے اعزاز کے لیے ہے ورنہ بارگاہ حق میں بھی اعمال پہنچائے جاتے ہیں۔ اس لیے یہ کوئی نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ خود نہیں سنتا، اس لیے ہم خوش قسمت ہیں کہ ہمارا درود شریف حضور اکرم ﷺ خود سنتے ہیں اور اس میں یعنی درود شریف کے سننے میں کوئی اشکال نہیں۔ اُویسی غفرلہ عرض کرتا ہے

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

میرے مولیٰ درود اور سلام ہمیشہ ہمیشہ بھیج اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تمام مخلوق میں افضل و برتر ہیں۔

(۱۱) مواہب لدنیہ میں ایک روایت منقول ہے کہ قیامت کے دن وزن اعمال کے وقت ایک مومن کی نیکیاں کم پڑ جائیں گی تو رسول اللہ ﷺ ایک پرچہ سر انگشت برابر نکال کر پلڑے میں رکھ دیں گے تو نیکی کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔ اس مومن کے استعجاب پر حضور اکرم ﷺ فرمائیں گے میں تیرا ہی ہوں اور یہ تیرا درود ہے، جو تو نے مجھ پر بھیجا تھا۔ آج تیری ضرورت کے وقت میں نے اسے ادا کر دیا۔ (خصائص کبریٰ)

فائدہ

اس حدیث شریف پر غور کیجیے کہ بندۂ خدا کو دوزخ سے بہشت کا مستحق کس نے بنایا درود شریف نے بنایا اور وہ پرچے کا بوجھ نہیں بلکہ درود شریف کی برکت تھی جو اسے بہشت میں لے گئی۔

(۱۲) حدیث کی رو سے حضور اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنا صدقہ کے قائم مقام ہو جاتا ہے، اس لیے جو غریب مسلمان راہ خدا میں صدقہ کی استطاعت نہیں رکھتے، وہ درود شریف کا ورد کر کے یہ اجر و ثواب بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

حرفِ آخر

ان فوائد و فضائل کے پیش نظر ایک مسلمان اگر اذان سے پہلے درود شریف پڑھے اور اسے شرع مطہرہ کی طرف سے ممانعت نہیں پھر ایک بدبخت اسے روکنے کی کوشش کرے، بتائیے اس بدبخت کی نیت میں فرق ہے یا نہیں؟ ضرور اس کی نیت میں شبہ ہے۔ قطع نظر مذکورہ بالا دلائل کے خود قرآنِ کریم سے بھی اذان سے پہلے درود شریف کی ممانعت کے بجائے اجازت کا پہلو نکلتا ہے۔ چنانچہ آیت "صلوٰۃ" کو پڑھیے اور پھر غور کیجیے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (پارہ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت ۵۶)

بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والو ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

اس آیۃ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ مسلمان اس حکم الٰہی کی تعمیل "اَلصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه" پڑھ کر کرتے ہیں۔ "صَلُّوْا" کے حکم کی تعمیل میں "الصلوٰۃ" اور "سَلِّمُوْا" کی تعمیل میں "السلام" اور "عَلَيْهِ" کی تعمیل "عليك يارسول الله" ہے، گویا "اَلصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه" اس حکم الٰہی کی تعمیل ہے۔

فائدہ

آیت کریمہ میں اہلِ ایمان کو درود شریف پڑھنے کا حکم ہے لیکن نہ وقت کی پابندی اور نہ ہی مخصوص الفاظ کا حکم اور نہ ہی کسی اور قید سے مقید۔

جب آیت میں حکم مطلق ہے تو پھر یہ کون لگتے ہیں چودھویں صدی میں آیت کو مقید کرنے والے کہ فلاں وقت پڑھو اور فلاں وقت نہ پڑھو۔ مثلاً اذان سے پہلے نہ پڑھو اور بعد کو نہ پڑھو۔ پھر کبھی کہتے ہیں سلام و قیام میں کھڑے ہو کر نہ پڑھو اور کبھی یہ رکاوٹ کہ

جنازہ کے آگے صلوٰۃ وسلام (نعت خوانی) وغیرہ نہ پڑھو، کبھی یہ شرارت کہ نماز کے بعد نہ پڑھو وغیرہ وغیرہ اور کبھی یہ فساد پھیلایا جاتا ہے کہ یہ درود نہ پڑھو، وہ الفاظ نہ بڑھاؤ، یہ نہ بڑھاؤ وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ عموم آیت کے بعد کہیں تخصیص ہوتی ہے تو اس کے لیے بہت بڑے قواعد وضوابط متعین ہیں اور وہ بھی مجتہدین اپنے دور میں مقرر کر گئے۔ ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کا کام نہیں کہ جسے منہ میں جو کچھ آئے کہہ دے مثلاً نماز کا حکم قرآن مجید میں مطلق فرمایا "وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ" اب جن اوقات میں جن لوگوں کو روکا گیا ہے یا اس میں قیود وتعین ہے تو اس کے قواعد وضوابط اور اُصول قائم ہوئے جن میں ہر شخص ان کا پابند ہے، اب اگر کوئی ان اُصول اور قواعد وضوابط کو مدنظر رکھ کر ثواب کی خاطر اوقاتِ مخصوصہ سے پہلے یا بعد کو نوافل پڑھے تو کوئی سر پھرا کہے یہ نوافل ناجائز ہیں، اس لیے کہ ان نوافل کا وجود نہ خیر القرون میں ہے اور نہ قرونِ ثلاثہ میں، آج تک کسی نے پڑھے۔ اس روکنے والے کو شریعت کے بھی جوتے پڑیں گے اور عوام کے بھی، لیکن افسوس ہے کہ درود شریف کے لیے اللہ تعالیٰ نے "صلوا وسلموا" مطلقاً فرمایا، اس ارشادِ گرامی کے لیے بھی قیود وتعین شرعی کے اُصول وقواعد وضوابط مقرر فرمائے جو کہ اُصولِ فقہ واُصول حدیث و تفسیر میں مذکور ہیں۔ جس طرح "وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ" کے عموم کے بعد نفل دوگانہ سے روکنے والے کو شرعی جوتے پڑیں گے، اسی طرح "صلوٰۃ وسلام" سے روکنے والے کو بھی جوتے پڑنے چاہئیں، لیکن کب قیامت میں اور اب (آزادی کا دور ہے) دراصل ان کے روکنے کا سبب اس لیے نہیں کہ انہیں دین کا درد ہے بلکہ اس کی وجہ کچھ اور ہے جسے فقیر آگے چل کر عرض کرے گا۔ ان شاءاللہ

اعتراضات

منصف مزاج کے لیے مذکورہ دلائل کافی ہیں لیکن پھر بھی اتمامِ حجت پر منکرین کے اعتراضات کے جوابات بھی ضروری ہیں۔ منکرین کا پہلا اعتراض یہ ہے کہ یہ بدعت ہے؛ اس کا جواب پہلے بھی دیا گیا ہے اور اس پر فقیر کی مستقل کتاب "العصمۃ من البدعۃ

" کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ خلاصہ یہ کہ نفسِ درود شریف میں تو کوئی انکار نہیں باقی ہیئت کذائیہ کی وجہ سے درود شریف بدعت نہیں ہوگیا اور ہیئت کذائیہ بھی شرعاً جائز ہے، جس کا بیان گذر چکا ہے۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ "اَلصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ" درود شریف نہیں بلکہ یہ الفاظ بھی بدعت ہیں، اس کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

"اَلصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ" بھی درود ہے، مخالفین کی عادت ہے کہ نہ قرآن مانتے ہیں اور نہ احادیث یعنی ان کی تاویلیں کر کے اپنی منواتے ہیں۔ فقیر کا تجربہ ہے کہ اگر انہیں اپنے اکابر کی عبارات دکھائی جائیں تب بھی مانتے اگرچہ نہیں لیکن حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ ان کے اکابر کی عبارات یہ ہیں:

(۱) حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ کے ص ۱۲۴ پر فرماتے ہیں:

وبعده فريضۂ نماز بگزاروو چون سلام وهديه اورادفتحيه خواندن مشغول شود كه از تبركات انفاس هزار دچهار صدولی كامل جمع شده است وفتح هر يك ازاں كلمه بوده است هر كه از سر حضور ملازمت نمايد بركت وصفائی آں مشاهده خواهد نمود و از ولايت هزار وچهار صدولی نصيب يابد.

یعنی پھر صبح کے فرض پڑھے، جب سلام پھیرے اور اورادِ فتحیہ پڑھنے میں مشغول ہو جائے کہ وہ ایک ہزار چار سو ولی کامل کے متبرک کلام سے جمع ہوا ہے اور فتح ہر ایک ولی کی اس کے ایک ایک کلمے سے ہوئی ہے۔ جو حضوری کے ساتھ اس کا پڑھنا اپنے اوپر لازم کرلے اس کی برکت وصفائی کا مشاہدہ کرے گا اور چودہ سو ولیِ کامل کی ولایت سے حصہ پائے گا اور فیضیاب ہوگا۔

اور اسی کتاب میں شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ اورادِ فتحیہ وہ وظائف کا مجموعہ ہے کہ جب سید علی امیر کبیر ہمدانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیت المقدس کی زیارت کو گئے تو وہاں

ان کو حضورا کرم ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی اور حضورا کرم ﷺ نے ان کو اورادِ فتحیہ پڑھنے کے لیے ارشاد فرمایا۔

شاہ صاحب کے ارشاد سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔

(۱) جو شخص ہر روز اورادِ فتحیہ کا پڑھنا اپنے اوپر لازم کرلے وہ چودہ سو ولی کامل کی ولایت سے حصہ پائے گا اور اس کی برکتوں کا مشاہدہ کرے گا۔

(۲) حضورا کرم ﷺ نے حضرت سید علی امیر کبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس اورادِ فتحیہ کے پڑھنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ اسی اورادِ فتحیہ میں یہ درود شریف بھی ہے:

الصلوٰة والسلام عليك يارسول الله

الصلوٰة والسلام عليك يا حبيب الله

الصلوٰة والسلام عليك يا رحمة للعلمين

الصلوٰة والسلام عليك ياشفيع المذنبين

الصلوٰة والسلام عليك ياسيد المرسلين

الصلوٰة والسلام عليك يا امام المتقين

فائدہ

غور فرمائیے اگر اس درود شریف کا پڑھنا شرک ہوتا تو کیا حضورا کرم ﷺ نے حضرت سید علی امیر کبیر ہمدانی کو شرک کرنے کا حکم دیا تھا اور کیا شاہ ولی اللہ صاحب شرک کرنے کی تعلیم دے رہے ہیں جو فرماتے ہیں کہ اس کے پڑھنے والے کو چودہ سو اولیا اللہ کی ولایت سے حصہ ملے گا۔

کیا حضورا کرم ﷺ اور شاہ ولی اللہ صاحب کو شرک کا علم نہیں تھا جو پڑھنے کو دے رہے ہیں یا آج کل کے یہ لوگ ان سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ (معاذ اللہ)

پیر چہ می گوید

مخالفین کو علمی اعتبار سے شاہ صاحب پر اعتماد ہے اور پیری مریدی کا تعلق حاجی

امداد اللہ مہاجر مکی سے رکھتے ہیں۔

(۲) حاجی امداد اللہ مہاجر مکی مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند اور مولوی رشید احمد گنگوہی وغیرہ دیوبندی مولویوں کے پیر و مرشد ہیں اور جن کے متعلق مولوی اشرف علی تھانوی نے امداد المشتاق میں لکھا ہے کہ وہ اس زمانے میں اللہ کی حجت ہیں۔ وہ حاجی صاحب اپنی کتاب ضیاء القلوب کے صفحہ ۸۳ پر فرماتے ہیں کہ جس کو حضورا کرم ﷺ کی زیارتِ مبارک کا شوق ہو وہ

بعد نمازِ عشاء باطہارت کامل و جامۂ نو و استعمالِ خوشبو باادب تمام رو بسوئے مدینہ منورہ بنشیند وملتجی از جنابِ قدس حقیقت محمدی برائے حصولِ زیارت جمالِ مبارک ﷺ ودل را از جمیع خطرات خالی کردہ صورت آں حضرت ﷺ بہ لباس بسیار سفید و عمامہ سبز وچہرہ منور مثل بدو بر کرسی تصور کند الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ راست، الصلوٰۃ والسلام علیک یاحبیب اللہ چپ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ، درد دل ضرب کند وایں درود شریف را ہر قدر کہ تواند پے در پے تکرار کند ان شاء اللہ تعالیٰ بہ مطلوب خواہد رسید.

عشاء کے بعد پاک وصاف کپڑے پہن کر خوشبو لگائے اور ادب سے مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے بیٹھے اور بارگاہِ الٰہی میں حضور ﷺ کے جمالِ مبارک کی زیارت کی التجا کرے اور دل کو تمام خیالات وساوس سے خالی کر کے یہ تصور کرے کہ حضور پر نور ﷺ بہت ہی سفید کپڑے پہنے اور سبز عمامہ باندھے کرسی پر چودھویں کے چاند کی طرح جلوہ افروز ہیں اور دائیں طرف الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ اور بائیں طرف الصلوٰۃ والسلام علیک یاحبیب اللہ اور دل پر الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ کی ضربیں لگائے اور جس قدر ہو سکے اس درود شریف کو پے در پے

پڑھے، ان شاء اللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوگا۔

(۳) یہی حاجی امداد اللہ مہاجر صاحب فرماتے ہیں: "اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللہ" بصیغۂ خطاب میں بعض لوگ کلام کرتے ہیں، یہ اتصال پر مبنی ہے "لہ الخلق والامر" عالم امر مقید بہ جہت طرف وقرب وبعد وغیرہ نہیں پس اس کے جواز میں شک نہیں ہے۔ (امداد المشتاق، ص۵۹ مرتبہ تھانوی)

فائدہ

تمام دیوبندیوں کے پیرو مرشد تو فرما رہے ہیں کہ اس درود شریف کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور جو حضور اکرم ﷺ کو حاظر وناظر جان کر اس درود شریف کو پڑھے اس کو حضور اکرم ﷺ کی زیارت ہوجائے گی، لیکن مرید کہتے ہیں کہ شرک ہے۔ طریقت میں وہ مرید نہیں مرید (بالفتح) کہا جاتا ہے۔

غور فرمائیے کہ اگر یہ درود پڑھنا شرک اور پڑھنے والا مشرک ہے تو مشرک کو زیارت کیسی؟ اور جو شرک وبدعت کو جائز قرار دے کر اس کے کرنے کا حکم دے وہ کون ہوا؟

(۴) دیوبندیوں کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا کہ یوں جی چاہتا ہے کہ آج درود شریف زیادہ پڑھوں، وہ بھی ان الفاظ سے کہ "اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللہ" (شکر النعمۃ بذکر رحمۃ الرحمۃ، ص۱۸)

(۵) دیوبندیوں کے شیخ الاسلام مولوی حسین احمد مدنی نے لکھا چنانچہ وہابیہ کی زبان سے بارہا سنا گیا کہ "اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہ" کو سخت منع کرتے ہیں اور اہلِ حرمین پر سخت نفرین اس ندا اور خطاب پر کرتے ہیں اور ان کا استہزا اُڑاتے ہیں اور کلماتِ ناشائستہ استعمال کرتے ہیں، حالانکہ ہمارے مقدس بزرگانِ دین اس صورت اور جملہ درود شریف اگرچہ بصیغۂ خطاب وندا کیوں نہ ہو مستحب و مستحسن جانتے ہیں اور اپنے متعلقین کو اس کا امر کرتے ہیں۔ (الشہاب الثاقب، ص۶۵)

(۶) دیوبندیوں کے رأس المحدثین مولوی محمد زکریا شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

نے لکھا کہ بندہ کے خیال میں اگر ہر جگہ درود وسلام دونوں کو جمع کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے یعنی بجائے السلام علیك یارسول الله، السلام علیك یانبی الله وغیرہ کے الصلوٰة والسلام علیك یا نبی رسول الله، الصلوٰة والسلام علیك یا نبی الله اسی طرح آخیر تک السلام کے ساتھ الصلوٰۃ کا لفظ بڑھادے تو زیادہ اچھا ہے۔ (فضائل درود شریف، ص۲۸)

غیر مقلدین وهابی

مذکورہ بالا حوالہ جات دیوبندیوں کو غور سے پڑھنے چاہئیں، اگرچہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے لیکن ہم اپنی ذمے داری سے سبکدوش ہوئے۔ باقی رہے غیر مقلد وہابی وہ ان سے بھی زیادہ ضدی اور ہٹ دھرم ہیں، لیکن ہمارا کام ہے راہِ حق سب کو بتانا۔ چنانچہ ان کے لیے حوالہ جات مذکور میں سے اول الذکر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو غور سے پڑھیں کیونکہ غیر مقلد وہابی ان کو بھی اپنا مسلم امام مانتے ہیں اور ذیل کا حوالہ حاضر ہے جسے دیوبندی یعنی گلابی وہابی اور غیر مقلد یعنی چٹے وہابی دونوں اپنا مسلم پیشوا مانتے ہیں۔

(۷) ابن قیم، ابن تیمیہ کے شاگرد نے اپنی کتاب جلاء الافہام پر لکھا کہ ابوبکر بن عمر نے فرمایا کہ میں ابوبکر بن مجاہد کے پاس تھا تو حضرت شبلی تشریف لائے۔ ابوبکر بن مجاہد ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوگئے اور ان کو سینے سے لگایا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔

فقلت له یا سیدی یفعل هذا بالشبلی وانت وجمیع من ببغداد یتصورونه انه مجنون فقال لی فعلت به کما رأیت رسول الله یفعل به و ذلك أني رأیت رسول الله فی المنام وقد اقبل الشبلی فقام الیه و قبل بین عینیه فقلت یا رسول الله اتفعل هذا بالشبلی فقال هذا یقرأ بعد صلاته لقد جاء کم رسول من انفسکم إلی آخر السورة و

یقول ثلاث مرات صلی اللہ علیك یا محمد

(جلاء الافهام، الموطن الخامس والثلاثون من مواطن الصلاة عليه ص۲۳۳، دار العربة الكويت)

تو میں نے عرض کیا: اے میرے آقا آپ نے شبلی کے ساتھ یہ سلوک فرمایا ہے حالانکہ آپ اور سارے بغداد والے اس کو دیوانہ تصور کرتے ہیں؟ (ابو بکر بن مجاہد نے) فرمایا: میں نے شبلی کے ساتھ ایسا ہی کیا ہے جیسا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اس کے ساتھ کرتے دیکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضرت شبلی آئے اور حضور سید عالم ﷺ ان کے لیے کھڑے ہوگئے اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے شبلی کے ساتھ ایسا کیوں کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ شبلی نماز کے بعد پڑھتا ہے "لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ" آخر سورۃ تک اور پھر تین مرتبہ کہتا ہے "صلی اللہ علیك یا محمد" اس وجہ سے ہم نے اس پر شفقت فرمائی ہے۔

فائدہ: غور فرمائیے کہ ہر نماز کے بعد "لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ" کے بعد "صلی اللہ علیك یا محمد" پڑھنے والے حضرت شبلی پر حضور اکرم ﷺ نے کیسی رحمت و شفقت فرمائی کہ اس کے لیے قیام فرمایا اور اس کو پیار سے بوسہ دیا اور اس کو اپنے جمال مبارک کی زیارت سے مشرف فرمایا۔ اگر یہ درود شریف پڑھنا شرک و بدعت ہوتا تو کیا مشرک و بدعتی کو یہ شرف حاصل ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں! معلوم ہوا کہ یہ درود شریف پڑھنا شرک و بدعت نہیں ہے بلکہ اس کے پڑھنے والے پر حضور اکرم ﷺ شفقت و رحمت فرماتے ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بغداد میں رہتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو معلوم ہے کہ میرا فلاں غلام فلاں مقام پر یہ عمل کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

سوال: "اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" کے عدم جواز کی دو وجہیں

ہیں اس میں علیك آتا ہے اور وہ خطاب کا صیغہ ہے اور خطاب اس کو کیا جاتا ہے جو سامنے موجود ہو اور سنتا ہو۔ نبی کریم ﷺ نہ تو سامنے موجود ہیں اور نہ سنتے ہیں، لہٰذا یہ شرک ہے۔ (۲) اس میں یا حرف ندا ہوتا ہے اور غیر اللہ کو ندا کرنا شرک ہے۔

جواب: اگر یہ شرک ہے تو پھر پانچوں وقت نماز میں بھی شرک ہوتا ہے اور نماز پڑھنے والے سب مشرک ہیں کیونکہ ہر نماز میں "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ" پڑھا جاتا ہے، اس میں بھی تو حرف ندا اور خطاب کا صیغہ علیك موجود ہے، لہٰذا جو لوگ اس درود کو شرک کہتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ نماز کو بھی شرک کہہ دیں۔

سوال: نماز میں تو حکایت کے طور پر پڑھا جاتا ہے یعنی شب معراج اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو یوں کہا پھر ہمیں نماز میں وہی الفاظ بطور نقل کے حکم دیا ہے۔

جواب: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ" نماز میں پڑھنا محض حکایۃً نہیں بلکہ انشاء ہے یعنی نمازی کا اُس وقت یہ تصور ہو کہ میں اب حضور اکرم ﷺ کو سلام عرض کر رہا ہوں اور وہ میرے سامنے موجود ہیں۔ اس پر فقیر نے رسالہ "رفع الحجاب عن تشهد اهل الحق واهل الغراب" لکھا ہے، اس سے چند حوالہ جات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) درمختار میں ہے کہ

وَيَقْصِدُ بِاَلْفَاظِ التَّشَهُّدِ مَعَانِيَهَا مُرَادَةً لَهٗ عَلٰى وَجْهِ الْاِنْشَاءِ كَاَنَّهٗ يُحَيِّي اللّٰهَ تَعَالٰى وَيُسَلِّمُ عَلٰى نَبِيِّهٖ وَعَلٰى نَفْسِهٖ وَاَوْلِيَائِهٖ لَا الْاِخْبَارَ عَنْ ذٰلِكَ ذَكَرَهٗ فِي الْمُجْتَبٰى۔

(الدر المختار، فصل واذا اراد الشروع في الصلاة كبر، جلد ۱، ص ۵۱۰)

تشہد کے الفاظ سے اس کے معنی اپنی مراد ہونے کا ارادہ کرے انشاء کے طور پر گویا کہ نمازی اللہ کی تحیت کرتا ہے اور اس کے نبی کریم ﷺ پر اور اس کے اولیا پر اور اپنے اوپر سلام پیش کرتا ہے، اخبار کا ارادہ نہ کرے۔

(۲) علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس پر یوں فرمایا:

اَیْ لَا یَقْصِدُ الْاِخْبَارَ، وَالْحِکَایَۃَ عَمَّا وَقَعَ فِی الْمِعْرَاجِ مِنْہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمِنْ رَبِّہٖ سُبْحَانَہٗ وَمِنَ الْمَلَائِکَۃِ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ..

(ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب فروع قرأ بالفارسیۃ أو التوراۃ أو الانجیل، جلد۲، ص۸۸)

یعنی التحیات میں معراج کے اس کلام کے قصے کی نیت نہ کرے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ربّ تعالیٰ اور ملائکہ کے درمیان ہوا۔

(۳) حضرت شیخ المحدثین شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ" کے بیان میں فرماتے ہیں:

نیز آں حضرت ہمیشہ نصب العین مومنان و قرۃ العین عابدان ست درجمیع احوال واوقات خصوصا درحالت عبادات و نورانیت و انکشاف دریں محل بیشتر و قوی ترست و بعضے از عرفاء قدس سرہم گفتہ اند ایں کہ خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است علیہ الصلوٰۃ والسلام در ذرائر موجودات وافراد ممکنات پس آنحضرت در ذوات مصلیان موجود حاضر ست پس مصلی باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد و ازیں شہود غافل نبود تابانوار قرب واسرار معرفت منور و فائز گردد۔ (لمعات، جلد۳، ص۱۸۱، مطبوعہ اشیش محل روڈ لاہور)

حضور ﷺ مومنوں کے نصب العین اور عابدوں کی آنکھ کی ٹھنڈک ہیں، تمام حالتوں میں اور تمام وقتوں میں خصوصاً عبادات کی حالت میں کیونکہ اس مقام میں نورانیت وانکشاف زیادہ قوی تر ہوتا ہے، اس لیے بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ حقیقت محمدیہ ﷺ موجودات کے ذرّے ذرّے اور ممکنات کے ہر فرد میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ پس حضور اکرم ﷺ نمازیوں کی ذات میں موجود ہیں، نمازی کو چاہیے کہ اس حقیقت سے آگاہ

رہے اور اس شہود سے غافل نہ ہوتا کہ نورِ معرفت کے اسرار سے منور اور کامیاب ہوجائے۔

(۴) حجۃ الاسلام حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ التحیات کے بیان میں فرماتے ہیں:

وأحضر فی قلبك النبی صلی الله علیه و سلم وشخصه الکریم وقل سلام علیك أیها النبی ورحمة الله وبرکاته ولیصدق أملك فی أنه یبلغه ویرد علیك ما هو أوفی منه.

(احیاء العلوم، بیان تفصیل ما ینبغی أن یحضر فی القلب عند کل رکن و شرط من أعمال، جلد۱، ص۱۶۹)

کہ اے نمازی التحیات میں "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ" پڑھنے کے وقت حضور اکرم ﷺ کو اپنے دل میں حاضر کرکے اور آپ ﷺ کی صورتِ مبارکہ کا تصور دل میں جما کر "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ" عرض کر اور یقین جان کہ یہ سلام حضور اکرم ﷺ کو پہنچ رہا ہے اور حضور اکرم ﷺ اس کا جواب دانی اپنی شانِ کریمہ کے لائق فرماتے ہیں۔

(۵) قطب ربانی حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

سمعت سیدی علیا الخواص رحمه الله تعالی یقول انما امر الشارع المصلی بالصلوة والسلام علی رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم فی التشهد لینبه الغافلین فی جلوسهم بین یدی الله عزوجل علی شهود نبیهم فی تلك الحضرة فانه لایفارق حضرة الله تعالی ابدا فیخاطبونه بالسلام مشافیة.

(المیزان الکبریٰ للشعرانی، باب صفة الصلوٰة، جلد۱، ص۱۶۷، مصطفی البابی مصر)

میں نے اپنے سردار علی خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ کو فرماتے سنا کہ شارع نے نمازی کو تشہد

میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود وسلام عرض کرنے کا اس لیے حکم دیا جو لوگ اللہ عزوجل کے دربار میں غفلت کے ساتھ بیٹھتے ہیں انھیں آگاہ فرمادے کہ اس حاضری میں اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھیں اس لیے کہ حضور کبھی اللہ تعالیٰ کے دربار سے جدا نہیں ہوتے، پس بالمشافہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلام عرض کریں۔

فائدہ

اس عبارت میں "شھود نبیھم فی تلك الحضرۃ" (نبی کریم ﷺ کا بارگاہِ ایزدی میں جلوہ گر ہونا) اور "فانه لایفارق حضرۃ الله تعالیٰ ابدا" (نبی کریم ﷺ بارگاہِ الٰہی سے کسی وقت جدا نہیں ہوتے) اور "فیخاطبونه بالسلام مشافیة" (نمازی بالمشافہ یعنی حضور ﷺ کے روبرو حضور ﷺ کو سلام کے ساتھ خطاب کرتے ہیں) خاص طور پر قابلِ غور جملے ہیں، یہ تینوں جملے اس مقام پر مخالفین کے تمام شکوک وشبہات کا قلع قمع کر رہے ہیں۔ ایسے چمکتے ہوئے دلائل کے سامنے کسی کورِ باطن کا یہ کہنا کہ "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ" معاذ اللہ بعید غائب کو خطاب ہے، حضور ﷺ کی محض خیالی صورت ہوتی ہے خود حضور بارگاہِ ایزدی میں حاضر نہیں ہوتے، کیسی دیدہ دلیری اور ہٹ دھرمی ہے۔

(۶) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "فتح الباری شرح صحیح بخاری" میں حسب ذیل ایمان افروز عبارت میں ارقام فرمایا ہے:

ویحتمل أن یقال علی طریق أهل العرفان إن المصلین لما استفتحوا باب الملکوت بالتحیات أذن لهم بالدخول فی حریم الحی الذی لا یموت فقرت أعینهم بالمناجاۃ فنبهوا علی أن ذلك بواسطة نبی الرحمة وبرکة متابعته فالتفتوا فإذا الحبیب فی حرم الحبیب حاضر فأقبلوا علیه قائلین السلام علیك أیها النبی ورحمة الله وبرکاته.
(فتح الباری شرح بخاری، قوله باب التشهد فی الآخرۃ، جلد ۲، ص ۳۱۴)

اہلِ عرفان کے طریقے پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب نمازیوں نے التحیات کے ساتھ ملکوت کا دروازہ کھلوایا تو انہیں حی لا یموت کی بارگاہ میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی، ان کی آنکھیں فرحت مناجات سے ٹھنڈی ہوئیں تو انہیں اس بات پر تنبیہ کی گئی کہ بارگاہِ خداوندی میں جو انہیں یہ شرفِ باریابی حاصل ہوا ہے یہ سب نبی رحمت ﷺ کی برکت متابعت کے طفیل ہے۔ نمازیوں نے اس حقیقت سے باخبر ہو کر بارگاہِ خداوندی میں جو نظر اُٹھائی تو دیکھا کہ حبیب کے حرم میں حبیب حاضر ہیں یعنی دربارِ خداوندی میں نبی کریم ﷺ جلوہ گر ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کو دیکھتے ہی "السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته" کہتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے۔

(۷) یہی عبارت عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۶ ص ۱۱۱ (۸) مواہب اللدنیہ جلد ۲ ص ۲۲ (۹) زرقانی شرح مواہب جلد ۷ ص ۲۲۹ (۱۰) زرقانی شرح موطا امام مالک جلد ۱ ص ۱۷۰ (۱۱) سعایہ جلد ۲ ص ۲۲۷ (۱۲) فتح الملہم جلد ۲ ص ۱۴۳ (۱۳) اوجز المسالک جلد ۱ ص ۲۶۵ پر بھی بعینہٖ مرقوم ہے۔

مقامِ غور ہے کہ ان تمام محدثین کرام یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی وامام قسطلانی وامام بدرالدین عینی وامام زرقانی وحجۃ الاسلام امام محمد غزالی وشیخ محقق مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ حتیٰ کہ دیوبندیوں کے صاحب فتح الملہم واوجز المسالک سب بیک زبان کہہ رہے ہیں کہ "فإذا الحبیب فی حرم الحبیب حاضر" یعنی جب نمازی دربارِ الٰہی میں نظر اُٹھاتا ہے تو حبیب کو حرمِ حبیب میں حاضر پاتا ہے۔ اور فوراً عرض کرتا ہے:

"السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ"

فائدہ

ان کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ شبِ معراج یونہی ہوا، اس لیے انور شاہ کاشمیری نے العرف الشذی میں لکھا کہ معراج والی مذکورہ بالا روایت صحیح نہیں۔

چیلنج

فقیر دعویٰ سے کہتا ہے کہ اس کے متعلق صحیح مرفوع حدیث کوئی مولوی وہابی پیش کرے تو منہ مانگا انعام پائے۔

یاد رکھیے کہ ہماری تائید جس طرح دیوبندیوں کے اماموں نے کی ایسے ہی نواب صدیق حسن بھوپالی نے بھی تائید کی ہے، چنانچہ لکھا کہ

نیز آں حضرت همیشه نصب العین مومنان وقرة العین عابدان ست درجمیع احوال واوقات خصوصا درحالت عبادات ونورانیت و انکشاف دریں محل بیشتر و قوی ترست وبعضے از عرفاء قدس سرهم گفته اند ایں که خطاب بجهت سریان حقیقت محمدیه است علیه الصلٰوة والسلام در ذرا ئر موجودات وافراد ممکنات پس آنحضرت در ذوات مصلیان موجود حاضر ست پس مصلی باید که ازیں معنی آگاه باشد وازیں شهود غافل نبود تابانوار قرب واسرار معرفت منور و فائز گرددآرے۔

درراه عشق مرحله قرب و بعد نیست می بینمت عیاں دعا می فرستم

(مسک الختام شرح بلوغ المرام، کتاب الصلوٰۃ، باب ۷، صفۃ الصلوٰۃ جلد ۱، ص ۲۴۴، مطبع نظامی کانپور)

تمام احوال واوقات خصوصاً عبادات کی حالتوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مومنین کا نصب العین اور عابدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتے ہیں، عبادات کے مواقع میں نورانیت اور انکشاف زیادہ قوی ہوتا ہے۔ بعض عارفین قدس اسرارہم نے فرمایا کہ نماز میں السلام علیك کا خطاب حقیقتِ محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہوتا ہے جو موجودات کے تمام ذرّات اور ممکنات کے تمام افراد میں سرایت کیے ہوئے ہے، لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہوتے ہیں، اس لیے نمازی کو اس حقیقت سے آگاہ رہنا چاہیے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس موجودگی سے غافل نہ ہو تاکہ قرب کے انوار اور معرفت کے اسرار سے منور اور فائز ہو جائے۔

عشق کی راہ میں قرب و بعد کا مرحلہ نہیں ہے
میں آپ کو واضح طور پر دیکھ رہا ہوں اور دعا پیش کرتا ہوں

فائدہ

ان حوالہ جات سے صاحبِ انصاف غور فرمائے کہ منکر اور مخالف کو انکار کی گنجائش ہو سکتی ہے، ہاں ضدی لاعلاج ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہر طرح سے ثابت ہو گیا کہ یہ درود شریف "الصلوٰۃ والسلام علیك یارسول الله" پڑھنا جائز ہے اور اس درود شریف کے پڑھنے کو کفر اور شرک کہنا گویا بیشمار مسلمانوں اور بزرگوں کو کافر و مشرک بنا دینے کے مترادف ہے۔

سوال: یہ درود شریف منقول نہیں ہے لہٰذا سوائے درود ابراہیمی کے اور کوئی درود شریف پڑھنا جائز نہیں۔

جواب: منقول نہ ہونا عدم جواز کی دلیل نہیں بنتی، دوسرا قرآن مجید جب حکم عام ہو تو پھر اس کے عموم میں کسی خاص بات کی پابندی نہیں ہوتی مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اُدْعُوْنِیْ" مجھ سے دعا مانگو۔ اب ہم جن الفاظ سے اللہ سے دعا مانگیں جائز ہے، کسی خاص لفظ کی پابندی نہ ہوگی۔ اسی طرح آیت میں "صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا" میں صلوٰۃ اور سلام عام ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ ہر وہ درود شریف اور سلام جو شریعت میں منع نہیں، وہ جائز ہے۔ کیا کوئی ہے جو یہ ثابت کر دے کہ حضور ﷺ نے اس درود شریف سے منع فرمایا ہے بلکہ اس کی تائید ملتی ہے، چنانچہ چند حوالے ملاحظہ ہوں:

(۱) ابن ابی فدیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جن کے متعلق ملا علی قاری اور علامہ زرقانی فرماتے ہیں "وثقه جماعة واحتج به أصحاب الكتب الستة") فرماتے ہیں:

سمعت بعض من أدركت يقول بلغنا أنه مَنْ وَقَفَ عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تعالىٰ عليه وسلم فتلا هذه الآية: (إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ) ثم قال صلى الله تعالى عليك يا محمد مَنْ يَقُولُهَا سَبْعِينَ مَرَّةً نَادَاهُ مَلَكٌ صَلَّى اللهُ عليك يا فلان ولم تسقط له حاجة.

(شرح شفاء، فصل فی حکم زیارۃ قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم وفضیلۃ من زارہ وسلم علیہ، جلد ۲، ص ۱۵۲)

میں نے بعض ائمہ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ جو شخص حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس کھڑے ہو کر یہ آیت پڑھے "إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ" آخر تک پھر ستر مرتبہ کہے "صلی اللہ علیک یا محمد" تو ایک فرشتہ کہتا ہے کہ اے شخص اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمتیں نازل کرتا ہے اور تیری تمام حاجتیں پوری کر دی جاتی ہیں۔

(۲) علامہ علی بن برہان الدین حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ جب کسی حاجت کے لیے صحرا و جنگل میں تشریف لے جاتے تو

فلا يمر بحجر ولا شجر إلا قال الصلاة والسلام عليك يا رسول الله.

(السيرة الحلبية، باب سلام الحجر والشجر عليه صلى الله عليه وسلم قبل مبعثه، جلد ۱ ص ۳۲۰)

تو آپ جس پتھر یا درخت کے پاس سے بھی گزرتے تو وہ کہتا "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ"۔

(۳) علامہ امام شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

والمنقول انهم كانوا يقولون فی تحيته الصلوٰة والسلام عليك يا رسول الله. (نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض جلد ۳ ص ۴۵۴)

منقول ہے کہ صحابہ کرام دربارِ رسالت میں تحیت پیش کرتے ہوئے یوں کہتے تھے "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ"۔

(۴) علامہ امام محمد بن عبدالباقی المالکی الزرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

لأنه لا يحفظ عن أحد من الصحابة أنه خاطب النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله صلى الله عليك. (المواهب اللدنية، فصل انها من المستحبات، جلد ۲، ص ۲۵۲)

کہ بیشک طرق متعددہ سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت صلوٰۃ کے الفاظ یوں کہتی تھی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک"۔

(۵) بیہقی شریف میں ہے صحابہ کرام نے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللهِ أَمَّا السَّلَامُ عَلَيْكَ فَقَدْ عَرَفْنَاهُ. فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ إِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا عَلَيْكَ فِي صَلَاتِنَا صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ.

(السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي، جلد ۲، ص ۱۳۶، حديث ۲۹۶۳)

یا رسول اللہ! ہم اپنی نمازوں پر آپ ﷺ پر کیسے درود بھیجیں؟ آپ پر اللہ کی صلوٰۃ ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا کہو "اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ"۔

فائدہ

حدیث سے دو مسئلے ثابت ہوئے ایک یہ کہ نماز میں درود ابراہیمی پڑھنے کی تعلیم ہے اور دوسرا یہ کہ نماز کے علاوہ صحابہ کرام کے بھی الفاظ صلوٰۃ یہ ہوتے تھے "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک"۔

(۶) امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی کہ میرا جنازہ حضور ﷺ کے روضۂ اطہر پر لے جانا اور عرض کرنا یا رسول اللہ! آپ کا یارِ غار ابوبکر صدیق حاضر ہے۔ چنانچہ آپ کا جنازہ روضۂ اقدس پر لایا گیا تو صحابۂ کرام نے الفاظ "السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ الله" سے سلام عرض کرکے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یہ ابوبکر دروازے پر حاضر ہیں۔ فوراً دروازہ خود بخود کھل گیا اور قبر

شریف سے آواز آئی "اَدۡخِلُوا الۡحَبِیۡبَ اِلَی الۡحَبِیۡبِ" حبیب کو حبیب کے پاس لے آؤ۔ (تفسیر الرازی، سورۃ الکہف، آیت ۹، جلد ۱۰، ص ۱۶۷)

ان روایات سے بھی معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کے ظاہری زمانۂ پاک میں بھی بصیغۂ خطاب وندا صلوٰۃ وسلام پڑھا گیا، لہٰذا بدعت نہ ہوا۔ آخر میں مسلمان بھائیوں سے پُرزور اپیل ہے کہ ان مشرک ساز مولویوں کے چکر میں نہ آئیں بلکہ نہایت شوق و ذوق، اُلفت ومحبت سے اس درود شریف "الصلوٰۃ والسلام علیك یارسول اللہ وعلی الك واصحابك یا حبیب اللہ" کو خوب پڑھیں اور بے شمار رحمتوں اور برکتوں سے سرفراز ہوں۔

سوال: چیخ کر پکارتے ہو، حالانکہ درود شریف چیخ کر پڑھنا مکروہ ہے؟

جواب: یہ بھی ذکر ہے اور ذکر کو جتنا بلند آواز سے پڑھا جائے اتنا قلب بیدار ہوتا ہے علاوہ ازیں حضور اکرم ﷺ کا بھکاری بن کر (بوجہ ان کے وسیلۂ جلیلہ ہونے کے) ہم انہیں فریاد سناتے ہیں اور بھکاریوں کا کام ہی چیخنا اور چلّانا ہے، اس سے کریم کا دل زیادہ متوجہ ہوتا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جہاں ندائے یارسول اللہ ﷺ کا ثبوت ملتا ہے، وہاں ان سے عرض کرنے کا ثبوت بہم پہنچتا ہے۔ چنانچہ فقیر نے رسالہ "نعرۂ رسالت" میں دلائل سے اس مضمون کو لکھا ہے جس نے درود شریف کو بلند آواز سے مکروہ بتایا ہے اس کے ہاں دلائل نہیں ہیں، صرف اپنی من مانی ہے، وہ ہم نہیں مانتے۔ اس کے متعلق مزید دلائل فقیر کی کتاب "حاضروناظر" میں ہے۔

سوال: ادھر تم حضور اکرم ﷺ کو حاضروناظر مانتے ہو، ادھر پھر چیخ چلّا کر انہیں پکارتے ہو؟

جواب: اللہ تعالیٰ کو ہم سب "شہ رگ" سے زیادہ قریب مانتے ہیں لیکن پھر بھی اسے زور سے پکارنا جائز ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا آپ زور سے کیوں پکار رہے تھے؟ کہا شیطانوں کو بھگاتا ہوں اور سوتوں کو جگاتا ہوں۔ ایسے ہی

ہمارے لیے سمجھیے کہ ہم وہابیوں دیوبندیوں کو بھگاتے ہیں اور عاشقوں کے عشق کو بڑھاتے ہیں۔ چنانچہ تجربہ کیجیے کہ یہ درود شریف جہاں پڑھا جائے گا وہابی دیوبندی بھاگ جائیں گے اور رسالت کے پروانے نبی پاک (ﷺ) کے دیوانے قربان ہوتے رہیں گے۔

سوال: آپ لوگ رسول اللہ ﷺ کو حاضروناظر مانتے ہیں اور پھر زور سے چیختے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے روکا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ کَجَهۡرِ بَعۡضِکُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ○ (پارہ ۲۶، سورۃ الحجرات، آیت ۲)

اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور چلّا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلّاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

جواب

مفصل جوابات فقیر کی کتاب "حاضروناظر" میں دیکھیے، اجمالی جواب یہ ہے کہ "فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ" سے ممانعت ہے، یعنی آپ کی آواز مبارک پر جہر نہ کرو۔ اگرچہ پھر محدثین کرام نے مطلقاً آپ کے سامنے بلند آواز سے گفتگو سے روکا ہے لیکن یہ اس وقت ہے کہ آپ اپنے جسدِ اطہر سے جہاں رونق افروز ہوں، وہاں زور سے نہ بولو۔ یہی وجہ ہے کہ روضۂ انور گنبد خضرا پر حاضری دینے والوں کو بلند آواز سے بات کرنے کی ممانعت ہے اور ہم نبی پاک ﷺ کے جسدِ اطہر کو ہر جگہ حاضروناظر نہیں مانتے بلکہ آپ کے جلوہ ہائے نورانی اور تجلیاتِ روحانی کو ہر جگہ اور ہر وقت حاضروناظر مانتے ہیں اور پھر حضور اکرم ﷺ کے متعلق جامع الحقائق ہونے کی وجہ سے مختلف حیثیات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ آپ کی حقیقت جسمانی کے لیے "لَا تَجۡهَرُوۡا" کا حکم ہے، آپ کی حقیقت روحانی کے احکام اور۔ ہمارے ہاں جتنے دلائل اور پھر اعتراضات اور ان کے جوابات لکھ دیتے اگر کسی

صاحب کو مزید معلومات یا سوالات ہوں تو لکھیے اور اذان کے بعد وقفہ کر کے صلوٰۃ وسلام پڑھنا جسے اصطلاحِ فقہ میں تثویب کہتے ہیں، اس کے دلائل دیکھنے مطلوب ہوں تو فقیر کے رسالہ "التحقیق العجیب فی مشروعیۃ التثویب" کا مطالعہ کیجیے۔

فصلی اللہ تعالیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ الہٖ واصحابہ اجمعین

ھذا آخر مارقمہ

الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہ

دارالعلوم جامعہ اُویسیہ رضویہ۔ بہاولپور، پاکستان

۱۷ صفر المظفر ۱۳۹۵ھ مطابق ۳ مارچ ۱۹۷۵ء بروز اتوار

بعد نمازِ ظہر دارالتصنیف

قرأت خلف الامام

تصنیف لطیف

مفسر اعظم پاکستان، شیخ الحدیث والقرآن پیر طریقت، رہبر شریعت

مُفتی محمد فیض احمد اُویسی رضوی مدظلہ العالی

www.FaizAhmedOwaisi.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوٰۃ و السلام علیک یا رحمۃ للعالمین ﷺ

قرأت خلف الامام

شمس المصنفین، فقیہ الوقت، فیضِ ملّت، مُفسرِ اعظم پاکستان

حضرت علامہ ابو الصالح مفتی محمد فیض احمد اُویسی دامت برکاتہم القدسیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

فقیر نے قرأۃ خلف الامام پر ایک ضخیم تصنیف لکھی لیکن عوام ضخیم کتب پڑھنے سے کتراتے ہیں حالانکہ وہ اہل علم کو مفید ہے۔ مجبوراً یہ مختصر رسالہ بنام قرأۃ خلف الامام اسی تصنیف سے خلاصہ کرکے ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

مقدمہ

(۱) قرآن مجید کی تصریح احادیث پر مقدم ہوتی ہے احادیث کی تاویل کی جائے۔

(۲) ترک قرأۃ صرف امام کے پیچھے ہے ورنہ منفرد کو قرأۃ واجب وضروری ہے۔

(۳) مخالفین صرف فاتحہ والی روایات پیش کرتے ہیں وہ بھی عام۔

ہم کہتے ہیں امام کے پیچھے نماز کا حکم اور ہے اور اکیلے پڑھنے کا اور۔

باب ۱

قرآن شریف سے ثبوت

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (پارہ۹، سورۃ الاعراف، ایت۲۰۴)

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔

فائدہ: جمہور اہل اسلام کا بیان ہے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عام حکم فرمایا کہ جب امام قرآن کریم قرأت کررہا ہوں تو اُس وقت مقتدیوں کا وظیفہ صرف یہ ہے کہ نہایت توجہ کے ساتھ اس کی طرف کان لگائے رکھیں اور خود خاموش رہیں گویا نماز میں امام کا وظیفہ قرأت کرنا ہے اور مقتدیوں کا وظیفہ صرف استماع (سننا) ہے۔

قاعدہ

اہل سنت کا طریقہ ہے کہ قرآن وحدیث اسلاف کے مطابق سمجھنا، اور غیر مقلدین کا طریقہ ہے اپنی عقل کے مطابق چلنا۔ فقیر اس آیت کا مطلب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بیان کرتا ہے۔

(۱) حضور اکرم ﷺ کے ہر وقت حاضر باش صحابی اور رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی جاتی ہے

صلی ابن مسعود فسمع انلسا یقراون مع الامام فلما انصرف قال اما ان لکم ان تفھموا اما ان لکم

ان تعقلوا واذا قری القران فاستمعوا له وانصتوا کما امرکم اللہ تعالیٰ۔ (تفسیر ابن جریر جلد۹ صفحہ۱۰۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھی پس اُنہوں نے چند آدمیوں کو امام کے ساتھ قرأت کرتے ہوئے سنا تو جب نماز سے فارغ ہوئے تو (ابن مسعود نے) فرمایا کیا وہ وقت ابھی نہیں آیا کہ تم عقل اور سمجھ سے کام لو کہ جب قرآن کی قرأت ہوتی ہو تو تم اس کی طرف توجہ کرو اور خاموش رہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔

فائدہ: یہ صحیح روایت واضح طور پر اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ پڑھنے والے امام کے پیچھے قرأت کر رہے تھے تو یہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تنبیہ کرتے ہوئے امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرمادیا۔

نیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات بھی ظاہر کردی کہ آیت ہذا میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو استماع اور خاموشی کا حکم دیا ہے جو لوگ امام کی اقتدا میں نماز ادا کر رہے ہیں۔

(۲) یہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

قال عبداللہ ابن مسعود فی القرات خلف الامام انصت للقران کما امرت فان فی القران لشغلا و سیکفیک ذالک الامام۔ (کتاب القراۃ للبیہقی صفحہ۷۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے خاموشی اختیار کرو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے کیونکہ خود پڑھنے والا آدمی امام قرأت سننے سے محروم رہ جاتا ہے اور امام کا پڑھنا ہی تمہارے لئے کافی ہے۔

فائدہ: اس صحیح روایت میں بھی خطاب ان لوگوں کو ہے جو لوگ امام کے پیچھے قرأت کر رہے تھے جیسا کہ لفظ خلف الامام سے ظاہر ہے۔

(۳) رئیس المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جنہیں حضور ﷺ نے "حبر الامه" اُمت کا بڑا عالم کا خطاب بخشا) نے فرمایا:

عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ واذا قری القران فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون یعنی فی الصلوٰۃ المفروضہ۔ (کتاب القراۃ صفحہ۷۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ **وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰن** ...... الخ فرض نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

فائدہ: اس آیت میں استماع اور خاموشی کا جو حکم ہے وہ شانِ نزول کے اعتبار سے صرف فرض نمازوں کو شامل ہے

گو غیر فرض نمازوں کو بھی عموم الفاظ کے لحاظ سے شامل ہے۔

(۴) حضرت ابن جبیر تابعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۲ھ) اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اس آیت کا شانِ نزول نماز ہے یعنی استماع اور انصات کا حکم امام کے پیچھے نماز ادا کرنے والوں کے لئے ہے۔

(کتاب القراۃ صفحہ ۷۵)

(۵) حضرت سعید ابن مسیّب تابعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۴ھ) نے فرمایا اس آیت کریمہ کا شان نزول نماز ہی ہے چنانچہ فرمایا

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰن...... الخ قال فی الصلوۃ

یعنی یہ آیت قرآن کریم نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (کتاب القراۃ صفحہ ۷۵)

(۶) حضرت حسن بصری تابعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی م ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں

واذا قری القران فاستمعوا له وانصتوا...... فی الصلوۃ

اس آیت کریمہ کا شان نزول نماز ہے۔

(۷) حضرت محمد بن کعب القرطبی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۸۸ھ) فرماتے ہیں حضور ﷺ جب نماز میں قرأت کرتے تھے تو صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین رسول اللہ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے، ساتھ ساتھ قرأت کرتے تھے تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (پارہ ۹، سورۃ الاعراف، ایت ۲۰۴)

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔

(کتاب القراۃ، للبیہقی صفحہ ۷۴)

گھر کی گواہی

(۱) حافظ ابن کثیر نے مختلف اقوال نقل کرکے لکھا کہ

وکذا قال الضحاك و ابراهيم النخعی وقتاده والشعبی والسدی وعبدالرحمن بن زید بن اسلم ان المراد بذالك الصلوة۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۸۱)

ضحاک، ابراہیم نخعی، قتادہ شعبی سدی اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہم یہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا شانِ نزول نماز ہے۔

(۲) غیر مقلدین کے مستند امام ابن تیمیہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ نقل کر کے لکھا کہ:

وقول الجمهور هو الصحيح فان الله سبحانه قال و اذا قرى القران فاستمعوا له و انصتوا لعلكم ترحمون قال احمد بن حنبل اجمع الناس على انها نزلت فى الصلوة۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲ صفحہ ۴۱۲)

یعنی جمہور کا مسلک ہی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو تم اس کی طرف توجہ کرو اور خاموش رہو تا کہ تم رحم کیے جاؤ۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر سب لوگوں کا اجماع ہے کہ اس آیت کریمہ کا شانِ نزول نماز ہے۔

فائدہ: ان کے علاوہ مستند روایتیں تابعین و تبع تابعین علیہم الرحمہ اور مفسرین کرام ائمہ دین سے اس آیت کی تفسیر میں موجود ہیں مگر ہم طوالت کے خوف سے انہیں ترک کر کے غیر مقلدوں کے معتمد علیہ ایک غیر مقلد کا فتویٰ عرض کرتے ہیں۔ مشہور غیر مقلد عالم مولوی عبدالصمد پشاوری لکھتے ہیں

والاصح كونها فى الصلوٰة لماروى البيهقى عن الامام احمد قال اجمعوا على انها فى الصلوة

(اعلام الاعلام فی ترک القرات خلف الامام صفحہ ۱۹۰)

یعنی صحیح ترین بات یہ ہے کہ اس آیت کا شان نزول نماز ہے جیسا کہ امام بیہقی نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا نماز کے بارے میں نازل ہونے پر سب کا اجماع اور اتفاق ہے۔

لطیفہ

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ آیت میں قرأت کا لفظ ہے اور قرأت کا اطلاق سورۃ الفاتحہ کے لئے نہیں کیونکہ سورۃ الفاتحہ کے احکام منفرد ہیں۔

سورۃ الفاتحہ جزو قرآن ہے یا کہ نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو کیا آپ کو تحریف قرآن کا قائل ہو کر کافر بننے کا شوق تو نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو ایک سو تیرہ سورتوں کا سننا تو واجب ہے اور صرف سورہ فاتحہ اس سے مستثنیٰ کیوں ہے؟

(۴) سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنے پر کون سی قطعی الثبوت اور قطعی الدلت قرآن مجید کی آیت ہے؟

سوالات و جوابات

سوال

یہ آیت مشرکین مکہ کے حق میں نازل ہوئی؟

جواب

(۱) لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ کا مصداق مشرکین بقول غیر مقلدین کے اگر بن سکتے ہیں تو مؤمنین کیوں نہیں بن سکتے۔

(۲) اگر مشرکین مکہ بغیر کسی شور وغل کے قرآن مجید سنیں تو غیر مقلدین کے نزدیک مشرکین مکہ پر تو خدا کا رحم نہیں ہوسکتا۔ (لا حول ولا قوة الا باللہ)

فائدہ: اس آیت کریمہ

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (پارہ۹،سورۃ الاعراف،ایت۲۰۴)

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔

کا خطاب صاف طور پر یہ ہوگا کہ جب سورہ فاتحہ پڑھی جائے تو تم توجہ کرو اور بالکل خاموش رہو چونکہ اس آیت کریمہ کا شانِ نزول نماز اور خلف الامام کا مسئلہ ہے جیسا کہ بحوالہ عرض کیا گیا ہے تو اس کے لئے امام کے پیچھے مقتدیوں کو دیگر سورتوں کی قرأت عموماً اور سورۂ فاتحہ کی خصوصاً درست نہ ہوگی کیونکہ استماع اور انصات کو رب العزت نے امر کے صیغوں کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور امر کی خلاف ورزی کرنا اہل اسلام کا شیوہ نہیں ہوسکتا۔

(۳) سرے سے غیر مقلدین کا یہ سوال ہی غلط ہے اس لئے کہ آیت میں مشرکوں کو رحمت خداوندی کا مستحق ٹھہرایا جارہا ہے حالانکہ مشرکین وکفار تو قہر وغضب کے مستحق ہیں نہ کہ رحم وکرم کے۔ غیر مقلدین کا یہ سوال ان کی سفاہت و بے عقلی کی دلیل ہے۔

(۴) آیت:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (پارہ۲۹،سورۃ المزمل،ایت۲۰)

ترجمہ: اب قرآن میں سے جتنا تم پر آسان ہو اتنا پڑھو۔

فائدہ: آیت میں مطلق قرأت کا حکم ہے فاتحہ ہو یا کوئی اور سورت یا آیات۔ علم الاصول کا قاعدہ ہے کہ قرآن کے

عموم پر حدیث (خبر واحد) سے زیادتی ناجائز ہے سورۂ فاتحہ کو اپنی طرف سے اخبار احاد کی وجہ سے فرض قرار دینا ناجائز ہے۔

قاعدہ احناف

احناف کے نزدیک قرآن کی صریح آیات سے جو ثابت ہو وہ فرض ہے اور جو حدیث سے ثابت ہو وہ واجب ہے اسی لئے ان کے نزدیک مطلق قرأت فرض ہے اور سورۂ فاتحہ امام ومنفرد پر واجب۔ احناف کی تائید احادیث سے ہے

حدیث شریف

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو نماز کے احکام کی تعلیم دے کر فرمایا:

ثم اقرء ما تیسر من القرآن۔ (بخاری)

پھر قرآن میں سے جو تجھے آسان ہو پڑھ۔

صریح حدیث سے تائید احناف

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

امرنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان انادی انہ لا صلوٰۃ الا بقراۃ ولو بفاتحہ الکتاب۔ (رواہ ابوداؤد)

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ میں اعلان کروں کہ نماز قرأت کے بغیر جائز نہیں خواہ سورۂ فاتحہ ہو۔

فائدہ: اگر فاتحہ علیحدہ فرض ہوتی تو اُسے عام قرأت میں اعلان کا حکم نہ ہوتا بلکہ یوں فرمایا جاتا کہ قرأت کے علاوہ فاتحہ ضرور پڑھو۔

باب ۲

احادیث مبارکہ

احناف کی دلیل احادیث قولی سے بھی ہے اور فعلی سے بھی، صراحتاً بھی اور اشارۃً بھی۔ فقیر ان تمام کو آگے تفصیل وار عرض کرتا ہے۔

(۱) احادیث قولی جن میں صاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے پیچھے ہر طرح کی قرأت سے روکا ہے۔

(۲) سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اقدس کے آخری لمحات احکام ومسائل میں فیصلہ کن ہیں۔ ہم آگے چل کر عرض کریں گے آپ کی آخری نماز میں قرأت خلف الامام نہیں ہے۔

(۳) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول وفعل شریعت اور اسلام ہے۔ آپ نے ایک صحابی کو نماز میں خلل انداز پایا کہ اس نے

آپ کو رکوع میں جاتے دیکھ کر پچھلی صف میں تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز میں شمولیت کر کے پھر اسی حالت میں اگلی صف میں مل گیا آپ نے اسے فرمایا ایسی غلطی آئندہ نہ ہو۔

ہم احناف کہتے ہیں کہ یہ صحابی ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اگر بقول غیر مقلدین سورۃ فاتحہ خلف الامام ہوتی اور اس کے ترک سے نماز باطل ہوتی تو حضور ﷺ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز کے لوٹانے کا حکم فرماتے لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ فرمایا اب تو غلطی ہوگئی (وہ یوں کہ رکوع کہیں کیا تو پھر چل کر آگے کی صف میں پہنچنے کا عمل کیا گیا) لیکن آئندہ ایسا نہ کرنا۔

(۴) غیر مقلدین کے پاس ایسی کوئی صحیح مرفوع حدیث نہیں جس میں صاف حکم ہو کہ امام کے پیچھے فاتحہ ضرور پڑھو اگر نہ پڑھو گے تو نماز باطل ہوگی۔

(۵) جن روایات میں فاتحہ کے پڑھنے کا حکم ہے جبکہ اکیلا نماز پڑھ رہا ہے یا امام کو حکم ہے۔

(۶) غیر مقلدین کی بعض روایات پیش کردہ ضعیف اور موؤل ہیں ان کی تفصیل آگے آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

احادیث صحیحہ مرفوعہ

(۱) عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ عنہ قال خطبنا رسول اللہ ﷺ فعلمنا سنتنا فقال اذا کبر الامام فکبروا واذا قرء فانصتوا

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں حضور ﷺ نے خطبہ دیا اس میں آپ نے نماز کا طریقہ بتایا اور فرمایا جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ (رواہ مسلم جلد ا صفحہ ۱۷۴)

فائدہ: اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ قرأت کرنا امام کا فریضہ ہے اور مقتدیوں کا وظیفہ صرف خاموش رہنا اور انصات ہے اور ان کے لئے بغیر انصات کے اور کوئی گنجائش ہی نہیں چونکہ یہ روایت مطلق ہے لہٰذا سری اور جہری تمام نمازوں کو شامل ہے مقتدیوں کو کسی نماز میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کی ہرگز اجازت و گنجائش نہیں ہے۔

انتباہ

یہ روایت صحیح مسلم کے علاوہ احادیث کی دیگر معتبر کتب میں بھی موجود ہے۔ ابوداؤد جلد ا صفحہ ۱۴۰، مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۴۰۵، دار قطنی جلد ا صفحہ ۱۲۵، بیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۵۵، ابن ماجہ صفحہ ۶۱، مشکوٰۃ جلد ا صفحہ ۸۱، صحیح ابی عوانہ صفحہ ۱۷۴۔ ان کے علاوہ احادیث کی دیگر درجنوں مستند و معتبر کتب احادیث میں یہ حدیث موجود ہے۔

(۲) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

ان النبی ﷺ خطبنا فکان مابین لنا من صلوتنا ویعلمنا سنتنا قال اقیموا الصفوف ثم لیومکم

احدکم فاذا کبر الامام فکبروا واذا قری فانصتوا۔ (رواہ ابوداؤد جلد اصفحہ ۱۴۰)

حضور سرورِ عالم ﷺ نے ہمیں خطاب فرمایا اور نماز کا طریقہ سکھایا اور سنت کی تعلیم دی اور فرمایا کہ صفیں درست کیا کرو تم میں سے ایک آدمی امام بنے اور جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

(۳) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

قال رسول اللہ ﷺ اذا قرء الامام فانصتوا واذا قال غیر المغضوب علیھم ولا الضالین قولوا امین

فرمایا جناب رسول کریم ﷺ نے کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب امام **غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ** پڑھے تو تم آمین کہو۔ (رواہ مسلم جلد اصفحہ ۱۷۴، ابوعوانہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۲)

فائدہ: ان تمام صحیح روایات سے معلوم ہوا کہ قرأت کرنا امام کا کام ہے اور مقتدیوں کا کام صرف خاموش رہنا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو جو متعدد کتب حدیث میں آئی ہے اور جس کو امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں نقل کیا ہے مندرجہ ذیل ائمہ حدیث نے اس کو صحیح کہا ہے۔

(۱) امام احمد بن حنبل (۲) امام مسلم (۳) امام نسائی (۴) امام ابن جریر (۵) علامہ ابن حزم (۶) امام منذری (۷) حافظ ابن کثیر (۸) امام اسحاق بن راہویہ (۹) امام ابوبکر بن اثرم (۱۰) حافظ ابن حجر (۱۱) امام ابوزرعہ رازی (۱۲) امام موفق الدین بن قدامہ (۱۳) امام شمس الدین بن قدامہ (۱۴) امام ابن خزیمہ (۱۵) امام ابوعمر بن عبدالبر (۱۶) ابن تیمیہ (۱۷) امام ابوعوانہ (۱۸) نواب صدیق حسن خاں (۱۹) علامہ ماردینی (۲۰) علامہ عینی (۲۱) امام ابن معین (۲۲) عثمان ابن ابی شیبہ (۲۳) علی بن المدینی (۲۴) سعید بن منصور خراسانی (۲۵) امام ابن صلاح رحمہم اللہ تعالیٰ۔

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

قال رسول اللہ ﷺ انما جعل الامام لیوتم بہ فاذا کبر فکبروا واذاقرء فانصتوا واذاقال سمع اللہ لمن حمدہ فقولو اللھم ربنا لک الحمد

فرمایا جناب رسول کریم ﷺ نے کہ امام اس لئے مقرر کیا جاتا ہے تا کہ اس کی اقتدا کی جائے پس جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

(۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

ان النبی ﷺ قال اذاقرء الامام فانصتوا۔ (کتاب القراۃ للبیہقی صفحہ ۹۲)

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

(۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

ان رسول اللہ ﷺ انصرف من صلوٰۃ جھر فیھا بالقراۃ فقال ھل قرء معی منکم احد انفا فقال رجل نعم انا یارسول اللہ ﷺ قال فقال رسول اللہ ﷺ انی اقول مالی انازع القران فانتھی الناس عن القراۃ مع رسول اللہ ﷺ فیما جھد فیہ رسول اللہ ﷺ بالقراۃ حین سمعوا ذالک من رسول اللہ ﷺ

حضور ﷺ ایک جہری نماز سے فارغ ہوئے اور فرمایا کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرأت کی ہے تو ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ جی ہاں! میں نے قرأت کی ہے، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جبھی تو میں (اپنے دل میں) کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرآن کریم کی قرأت میں منازعت کیوں ہو رہی ہے؟ آپ ﷺ کے اس ارشاد کے بعد جن نمازوں میں جہر سے آپ قرأت کرتے لوگوں نے آپ کے پیچھے قرأت بالکل ترک کردی تھی۔

(موطا امام مالک صفحہ ۲۹، ۳۰)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

کل صلوۃ لا یقرء فیھا بام القران فھی خداج الاصلوۃ خلف الامام

کہ ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے تو وہ ناقص ہے مگر وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ (کتاب القراۃ الامام البیہقی)

(۸) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

قال النبی ﷺ من کان لہ امام فقراۃ الامام لہ قراۃ

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے امام کی اقتداء کی تو امام کی قرأت اس کے لئے کافی ہے۔

(حاشیہ مشکوٰۃ، فتح القدیر جلد ا صفحہ ۲۳۹)

(۹) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

قال علیہ السلام من صلی خلف الامام فقراۃ الامام لہ قراۃ

ارشاد فرمایا نبی علیہ السلام نے کہ جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہے تو امام کی قرات اس کو کفایت کرتی ہے۔

(کتاب القراۃ للبیہقی صفحہ ۱۰۲)

(۱۰) ام رسول اللہ ﷺ فی العصر قال فقرء رجل خلفه فغمر الذی یلیه فلماان صلی قال لم غمزتنی قال کان رسول اللہ ﷺ قد امك فكرهت ان تقرء خلفه فسمعه النبی ﷺ فقال من كان له امام فان قراته له قراة

حضور ﷺ نے ایک دن عصر کی نماز میں امامت کرائی آپ کے پیچھے ایک شخص نے قرأت کی تو ساتھ والے نے اسے ذرا دبایا تاکہ وہ قرأت سے باز آجائے جب نماز ختم ہوگئی تو اس نے کہا کہ تم نے مجھے کیوں ٹٹولا اور دبایا تھا منع کرنے والے نے کہا کہ چونکہ حضور ﷺ تیرے آگے امام تھے میں نے مناسب نہ سمجھا کہ تم بھی آپ ﷺ کے پیچھے قرأت کرو۔ حضور ﷺ نے سنا تو فرمایا کہ جس کے لئے امام ہے پس امام کی قرأت ہی اس کو کافی ہے۔ (موطا امام محمد صفحہ ۱۰)

(۱۱) حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

امرنی رسول اللہ ﷺ ان لا اقرء خلف الامام

حضور ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کیا کرو۔ (کتاب القراۃ للبیہقی صفحہ ۱۳۹)

(۱۲) حضرت ابوالدردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

سئل رسول اللہ ﷺ افی کل صلوة قراةقال نعم فقال رجل من الانصار وجبت هذه فقال لی رسول اللہ ﷺ وكنت اقرب القوم اليه ماارى الامام اذا ام القوم الا كفاهم

حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ کیا ہر نماز میں قرأت ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! ایک انصاری نے کہا پھر تو قرأت ضروری ہوگئی حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ میں تمام اہل مجلس میں سے حضور ﷺ کے زیادہ قریب تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تو یہی جانتا ہوں کہ امام کی قرات مقتدیوں کو کافی ہے۔

(دار قطنی جلد ۱ صفحہ ۱۲۶، نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۰۷)

(۱۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

من كان له امام فقراة الامام له قراة

کہ امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے۔ (کتاب القراۃ للبیہقی صفحہ ۱۲۵)

یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے۔

(۱۴) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

كل صلوة لا يقرا فيها بفاتحه الكتاب فلا صلوة له الا وراء الامام

ہر نماز جس میں نمازی سورۃ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز ادا نہ ہوگی مگر امام کے پیچھے پڑھنے والا اس سے مستثنیٰ ہے۔

(کتاب القراۃ للبیہقی صفحہ ۱۳۷)

فائدہ: یہ حدیث بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے۔

(۱۵) امام موفق الدین ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

عن جابر ان النبی ﷺ قال کل صلوۃ لا یقراء فیھا بام القران فھی خداج الا ان یکون وراء الامام

امام خلال نے اپنی روایت کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے تو وہ ناقص ہے مگر وہ نماز جو امام کے پیچھے ہو۔

(مغنی صفحہ ۶۰۶، مغنی مع شرح مقنع الکبیر صفحہ ۶۰۶)

فائدہ: جن راویوں کو اختصار ملحوظ رکھنا ہوتا ہے وہ حدیث مختصر بیان کر دیتے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ بس حدیث صرف وہی ہے جو مختصراً بیان ہوئی ہے بلکہ محدثین کا قاعدہ ہے کہ حدیث کو بجملہ وجوہ مجملاً و مفصلاً ماننا ضروری ہے غیر مقلدین اپنی غرض نفسانی کے تحت ہمیشہ ایسے قواعد سے پہلو تہی کر جاتے ہیں۔

(۱۶) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

من کان لہ امام فقراۃ الامام لہ قراءۃ

جس آدمی نے امام کی اقتداء کر لی ہو تو امام کی قرأت ہی مقتدی کو بس ہے۔ (رواہ احمد فی مسندہ)

فائدہ: امام شمس الدین ابن قدامہ الحنبلی فرماتے ہیں کہ

وھذا اسناد صحیح متصل رجالہ کلھم ثقات

یہ سند صحیح ہے اور متصل ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (شرح مقنع اکبر صفحہ ۱۱ جلد ۲ بر حاشیہ مغنی)

(۱۷) حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا

من قرء احد منکم انفاقالوا نعم قال انی اقول مالی انازع القران فانتھی الناس عن القراۃ معہ حین قال ذالک

کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرأت کی ہے صحابہ کرام نے عرض کیا ہاں! حضور ﷺ قرأت کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسی لئے تو میں دل میں یہ کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرآن کریم کی قرأت میں کیوں منازعت اور کشمکش ہو رہی ہے۔ (مسند احمد جلد پنجم صفحہ ۳۴۵)

جب آپ ﷺ کا یہ ارشاد لوگوں نے سنا تو آپ ﷺ کے پیچھے قرأت ترک کر دی۔

امام ابوبکر الھیثمی المتوفی ۸۰۷ھ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

رواہ احمد و رجال احمد رجا ل الصحیح ۔(مجمع الزوائد جلد۲)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نماز سے استدلال

(۱) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ

واخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من القراۃ من حیث کان بلغ ابوبکر

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے قرأت شروع کی جہاں تک حضرت ابوبکر قرأت کر چکے تھے۔(ابن ماجہ صفحہ ۸۸)

(۲) ایک روایت میں آیا ہے کہ

فقرا من المکان الذی بلغ ابوبکر من السورۃ

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سورۃ کے جس مقام تک پہنچ چکے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے شروع کی۔(مسند احمد جلد ۱)

(۳) ایک روایت میں اس طرح ارشاد ہوا کہ

فاستفتح النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حیث انتھی ابوبکر من القران

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے شروع فرمایا جہاں تک حضرت ابوبکر پہنچ چکے تھے قرآن سے۔(سنن الکبریٰ جلد۳ صفحہ ۸۱)

فائدہ: یہ روایت طحاوی شریف جلد ۱ صفحہ ۲۳۵، مشکل الآثار جلد ۲ صفحہ ۲۷، طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۳۰، نصب الرایہ جلد ۲ صفحہ ۱۵ اور درایہ صفحہ ۱۵۵ وغیرہ میں مذکور ہے۔ فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۲۷۹ اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ اسنادہ حسن جلد ۲ صفحہ ۱۳۸ اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود یہ.......... کلا یا بعضا نہیں پڑھی پھر بھی نماز ہوگئی۔

فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے دو آدمیوں کے سہارے چل کر تشریف لائے پاؤں مبارک زمین پر گھسٹتے رہے نماز پہلے شروع ہو چکی تھی آہستہ آہستہ مسجد کی صفوں میں سے گزر کر مصلے پر پہنچے، سورۃ فاتحہ کی سات آیتیں بھلا اس وقت تک ختم نہ ہو سکی ہونگی۔

فائدہ: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کی تصریح کرتے ہیں کہ آخری بیماری میں آپ نے صرف یہی ایک نماز باجماعت ادا کی تھی۔(کتاب الامام جلد ۲ صفحہ ۱۸۵)

فائدہ: اگر سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز ناقص بلکہ باطل اور کالعدم ہوتی ہے جیسا کہ غیر مقلدین کہتے ہیں تو آپ کی یہ

آخری نماز ہوئی یا (معاذ اللہ) نہیں ہوئی ؟ نماز نہ ہوئی تو کہہ نہیں سکتے لامحالہ کہنا پڑے گا نماز ہوئی تو پھر احناف حق پر ہیں کہ امام کے پیچھے فاتحہ کے پڑھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ امام کی اقتداء کا یہی مطلب ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔

حدیث ابی بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیق

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق حدیث شریف میں ہے

انه دخل المسجد والنبی ﷺ راکعا فرکع قبل ان یصل الی الصف فقال النبی ﷺ زادك الله حرصا ولاتعد

وہ مسجد میں داخل ہوئے تو حضور ﷺ رکوع میں چلے گئے چنانچہ صف میں ملنے سے قبل ہی وہ تکبیر تحریمہ ادا کر کے رکوع میں چلے گئے اور صف میں مل گئے حضور ﷺ نے اس پر ارشاد فرمایا کہ خدا تیری نیکی کی حرص زیادہ کرے پھر ایسا نہ کرنا۔

فائدہ: (۱) ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرہ بغیر سورۂ فاتحہ پڑھے رکوع میں شامل ہو گئے تھے باوجود اس کے ان کی اس رکعت اور ان کی اس نماز کو جناب رسول خدا ﷺ نے مکمل اور صحیح فرمایا اور ان کو اعادہ نماز کا حکم نہیں دیا۔

(۲) امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے کہ جس نے امام کے ساتھ رکوع پالیا تو اس نے وہ رکعت پالی۔

(۳) اس صحیح اور مرفوع حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ امام کے ساتھ رکوع میں ملنے والے کی رکعت صحیح ہے۔

فائدہ: حدیث ابی بکرہ مندرجہ ذیل کتب میں موجود ہیں۔

(السنن الکبری جلد ۲ صفحہ ۱۰، زیلعی جلد ۲ صفحہ ۳۹، مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۹۹، صحیح بخاری شریف جلد ۱ صفحہ ۱۰۸)

فیصلہ حق

(۱) رکوع میں پہنچے تو فاتحہ مع ختم سورۃ دونوں نہ پڑھ سکے تو ان کی نماز ہو گئی۔ ثابت ہوا کہ امام کی قرأت سے مقتدی کی قرأت ہو گئی۔

(۲) رکوع میں پہنچنے سے کامل رکعت مل گئی اس میں بھی غیر مقلدین کا رد ہے کیونکہ وہ اس کے قائل نہیں۔

(۳) اگر فاتحہ واجب ہوتی تو حضور ﷺ ابوبکرہ کو نماز کے لوٹانے کا حکم فرماتے جیسے ایک صحابی نے تعدیل ارکان نہ کی تو تین بار اسے فرمایا نماز لوٹا اس لئے کہ تیری نماز نہ ہوئی۔ (بخاری)

لیکن حضرت ابوبکرہ کوصرف اتنا فرمایا

لاتعد

آئندہ ایسا نہ کرنا

یہی ہم بھی کہتے ہیں کہ اس کی نماز مکروہ ہے جو قیام کہیں تو نماز میں چل کر رکوع کہیں اور جگہ۔

استدلال بطریق دیگر

عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا امن القاری فامنوا فان الملئکة تومن فمن وافق تامینہ تامین الملئکة غفرلہ ما تقدم من فنبہ رواہ البخاری وقال رسول اللہ ﷺ اذا امن الامام فامنوا فانہ من وافق تامینہ تامین المئکة غفرلہ ما تقدم من ذنبہ متفق علیہ و فی روایہ قال اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولاالضالین فقولوا امین فانہ من وافق قولہ قول الملئکة غفرلہ ماتقدم من ذنبہ ھذالفظ البخاری و فی المسلم ایضاً۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب قاری آمین کہے تم بھی آمین کہواس لئے کہ ملائکہ آمین کہتے ہیں پس جس کی آمین ملائکہ کی آمین سے موافق ہواس کے اگلے گناہ بخشے جاتے ہیں، اس کو روایت کیا بخاری نے۔اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب امام آمین کہے تم بھی آمین کہواس لئے کہ جس کی آمین فرشتوں کے آمین کہنے سے موافق ہوا گلے گناہ بخشے جاتے ہیں، یہ حدیث متفق علیہ ہے۔اور ایک روایت میں ہے کہ جب امام غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ وَلَا الضَّآ لِّیۡنَ کہے تو تم آمین کہواس واسطے کہ جس کا قول ملائکہ کے قول سے موافق ہواس کے اگلے گناہ بخشے جاتے ہیں، یہ لفظ بخاری کا ہے اور مسلم میں بھی ایسا ہی ہے۔

طریقہ استدلال

حدیث مذکور میں حضور ﷺ نے امام کو قاری سے موسوم فرمایا اگر مقتدی بھی قراۃ میں مشترک ہوتے تو آپ فرماتے

اذا قلتم ولاالضالین قولواامین

جب تم وَلَا الضَّآ لِّیۡنَ کہو تو آمین کہو

لیکن ایسا نہیں بلکہ امن القاری ہے جو قرأت صرف امام سے خاص ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ ''فامنوا''

فا جزائیہ شرط کے بعد آتی ہے تو ثابت ہوا کہ مقتدی قرأت میں شامل نہیں بلکہ اس کا کام ہے امام جب وَلَا الضَّآ لِّيْنَ پر ختم کرے تب آمین کہے جیسے شرط و جزا کا قاعدہ نحوی مسلم ہے۔

غیر مقلدوں پر سوال

اس حدیث میں مقتدیوں پر آمین کہنے کا حکم ہے ادھر تم امام کے پیچھے فاتحہ پڑھ رہے ہو بعض مقتدی قرأت (فاتحہ) پڑھنے میں کمزور ہوتے ہیں بعض تیز جو تیز ہے اس نے امام سے پہلے پڑھ کر آمین ایک دفعہ پڑھ لی اب جب امام وَلَا الضَّآ لِّيْنَ کہے گا تو اب بھی آمین کہنا ہوگا نماز میں دو آمین کہنے کا تم نے کسی حدیث میں پڑھا تمہارے پاس دو آمین والی حدیث ہے تو پیش کرو ورنہ حدیث نہیں ہے تو بدعت ہوگا اب یا حدیث دکھاؤ یا بدعتی بنو۔ اسی طرح اگر کمزور ہے تو امام وَلَا الضَّآ لِّيْنَ کہے گا تو اسے آمین کہنی ہوگی ورنہ حدیث شریف کے خلاف لازم آتا ہے اب آمین کہتا ہے تو فاتحہ کی قرأت کے درمیان آمین کہنا لازم آئیگا اور آمین قرآن نہیں غیر قرآن ہے تو اس مقتدی نے غیر قرآن کو قرآن میں ملایا اور وہ بھی نماز میں تو مجرم ہوا یا بدعتی اس لئے کہ کسی حدیث شریف میں نہیں کہ فاتحہ شریف کے درمیان میں کسی جگہ پر آمین کہا جائے مانا کہ مقتدی امام کے ساتھ پڑھتا جارہا ہے اگر چہ کمزور ہے لیکن امام کے سہارے پر تیزی آگئی ہاں یہ ممکن ہے جیسے کمزور ٹرک تیز ٹرک سے لگ کر تیز چل پڑتا ہے لیکن سوال تو اپنی جگہ پر قائم ہے وہ یوں کہ مقتدی اس وقت پہونچا جب امام کچھ فاتحہ پڑھ چکا تھا اب اس نے فاتحہ پڑھی ہے اور کچھ فاتحہ پڑھی تو امام نے آمین کہہ دی اب مقتدی آمین نہیں کہتا تو حدیث کے خلاف ہوتا ہے کہتا ہے تو وہی خرابی لازم آئیگی جو پہلے مذکور ہو چکی ہے بلکہ درحقیقت تحریف قرآن لازم آئے گی کہ غیر قرآن (آمین) کو قرآن (فاتحہ) کے درمیان ملا دیا۔

(۲) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا جئتم الی الصلوۃ ونحن فی سجود فاسجدوا ولا تعدوہ شیئا ومن ادرک رکعۃ فقد ادرک الصلوۃ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب تم نماز کو آؤ اور ہم سجدہ میں ہیں تو سجدہ کرو اور اس سجدہ کو شمار مت کرو اور جس نے رکوع پایا اس نے کامل نماز پائی۔ (رواہ ابوداؤد)

(۳) وعنہ انہ کان یقول من ادرک الرکعۃ فقل ادرک السجدۃ ومن فاتہ قراۃ القران فقد فاتہ خیر کثیر

نیز سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے رکوع پایا اس نے سجدہ پایا اور جس کی فاتحۃ الکتاب فوت

ہوئی پس خیر کثیر اس سے فوت ہوئی۔ (رواہ مالک)

طریقہ استدلال

(۱) ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مقتدی کو فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے اس لئے کہ دونوں حدیثوں میں رکعت سے مراد رکوع ہے اس لئے کہ دونوں حدیثوں میں رکعت کا بالمقابل سجدہ ہے اور علم حدیث کا قاعدہ ہے کہ تقابل الفاظ کا تناسب ضروری ہے اور رکعت بمعنی رکوع احادیث میں بھی وارد ہے اور رکوع میں پہونچنے والے کی نماز کے جواز پر حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت بھی موید ہے فلہٰذا یہاں "الرکعۃ" سے "الرکوع" لینا مناسب ہے جب رکوع سے ملنے کی نماز کا جواز ثابت ہوا تو فاتحہ کے ترک سے نماز میں فرق نہ آیا۔ وھو المطلوب

اگر رکعت یہاں بمعنی رکوع نہ ہو تو مناسب تھا کہ حضور ﷺ اس طرح فرماتے:

جئتم الی الصلوۃ ونحن فی الرکوع فارکعوا ولا تعدوہ شیئا

اور اس ہی سے عدم محسوبیت سجدہ کے بھی بطریق اولی مستفاد ہے کیونکہ جب باوجود ادراک رکوع رکعت محسوب نہ ہوئی تو بادراک سجدہ کی کس طرح محسوب ہوگی پس معلوم ہوا کہ رکعت سے رکعت تامہ مراد نہیں بلکہ رکوع ہے اس کی تائید بخاری کی حدیث ذیل سے بھی ہوتی ہے

عن رفاعہ بن نافع قال کنا نصلی وراء النبی ﷺ فلما رفع راسہ من الرکعۃ قال سمع اللہ لمن حمدہ...... الخ

حضرت رفاعہ بن نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم نبی پاک ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو جب آپ ﷺ نے رکوع سے سر مبارک اُٹھایا تو فرمایا سمع اللہ لمن حمدہ اور جیسے یہاں "الرکعۃ" بمعنی "الرکوع" ہے ایسے ہی ہماری پیش کردہ دو مذکورہ بالا حدیثوں میں "الرکعۃ" بمعنی "الرکوع" ہے۔

(۳) حدیث:

من ادرک الرکعۃ فقد ادرک الصلوۃ

میں تین احتمال ہو سکتے ہیں۔ (۱) رکعت (۲) تمام صلوۃ (۳) ثواب جماعت بر تقدیر

اول مراد رکعت سے رکوع ہے یا رکعت تامہ پہلی شق میں ہمارا مدعی ثابت ہے دوسری شق پر معنی ہوگا

من ادرک الرکعۃ التامۃ فقد ادرک الرکعۃ

اس کا کوئی مطلب نہیں بنتا شق ثالث کا یہ معنی ہو کہ

من ادرك الركعة الواحدة فقد ادرك تمام صلوة

یہ معنی بھی غلط ہے اس لئے کہ جس سے پہلے کئی رکعت یا دو تین فوت ہوگئیں وہ نہ پڑھے کیونکہ اس سے کہا گیا ہے کہ نماز تمام ہوگئی اگر شق ثالث مراد ہو یعنی ثواب الصلوٰۃ تو یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ اس جملہ کا مقابلہ سجود سے ہے یعنی جیسے ''من ادرك الركعة'' فرما کر نماز کی تکمیل کی نوید ہے اس طرح سجدہ کی حالت میں پہونچنے والے کو یہ نوید نہیں بلکہ وہاں حکم ہے

فلاتعدوه شيئا

یعنی سجدے میں پہنچنے والے کو فرمایا ہے کہ وہ اس رکعت کو نماز میں شمار نہ کرے اور ''الركعة'' میں پہونچنے والے کو نوید ہے کہ اس کی رکعت مکمل ہے تو معلوم ہوا کہ ''الركعة'' سے مراد رکوع ہے نہ کہ نمازِ کامل یا ثوابِ کامل۔

ازالہ وہم

من فاتة قراة القران ......الخ

جس سے اُم القران (فاتحہ) فوت ہوجائے اس سے خیر کثیر فوت ہوگئی

اس جملے کا مطلب یہ ہے ادراک قرأت فاتحہ یا سماع قرأت فاتحہ کا امام سے افضل ہے اس سے وجوب ثابت نہ ہوا بلکہ ایک فضیلت ہے۔

سوال

مسلم شریف میں ہے

عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ من صلى صلوة لم يقرء فيها بام القران فهى خداج ثلاثا غير تمام فقيل لابى هريرة انا يكون وراء الامام قال اقرء بها فى نفسك فانى سمعت رسول الله ﷺ يقول قال الله تعالىٰ قسمت الصلوة بينى وبين عبدى نصفين ولعبدى ما سال فاذا قال العبد الحمد لله رب العلمين قال الله تعالىٰ حمدنى عبدى واذا قال الرحمن الرحيم قال الله تعالىٰ اثنى على عبدى واذا قال مالك يوم الدين قال مجدنى عبدى واذا قال اياك نعبد واياك نستعين قال هذا بينى وبين عبدى ولعبدى ما سال فاذا قال اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم غير

المغضوب علیھم ولا الضالین قال ھذا لعبدی ولعبدی ما سال

رسول اللہ ﷺ نے جو نماز ادا کرے اور اُم القرآن اس میں نہ پڑھے تو وہ نماز ناقص ہے غیر تمام ہے تین بار فرمایا ابو ہریرہ کو کسی نے کہا کہ ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں کہا دل میں پڑھا کر کیونکہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے نماز کو بندہ اور اپنے میں دو حصوں پر تقسیم کیا اور بندہ کی مرضی ہے جو مانگے۔

جواب:

اس سے امام کے پیچھے فاتحہ کا سیدنا ابو ہریرہ کا اپنا استدلال ہے اور اس سے مراد وہ نماز ہو جو بلا امام ہو اور سیدنا ابو ہریرہ کے **فی نفسک** (اپنے نفس میں) میں فرمانے سے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ **فی نفسک** سے دل پر تصور جمانا مراد ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ (پارہ ۹، سورۃ الاعراف، ایت ۲۰۵)

ترجمہ: اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو۔

یہاں بھی دل پر جمانا مراد ہے اس لئے کہ یہ آیت نسیان کے بالمقابل ہے جیسا کہ اس آیت میں **نفسک**........ نسیت ہے اس میں نہ ذکر لسانی مراد ہے اور نہ ہی اس سے ذہنی طور ذکر میں مصروف ہونا ایسے ہی مقتدی کے لئے بھی حکم ہے کہ امام کی قرأت کو دل پر تصور جمائے غفلت میں نہ رہے۔

اطلاق النفس پر احضار

قرآن واحادیث ومحاورات میں نفس قلب بکثرت آیا ہے اور شرع میں اس کا اطلاق عام ہے فلہٰذا **"اذکر ربك"** سے مراد ذکر قلبی مراد ہے۔

باب ۲

اجماع صحابہ رضی اللہ عنھم

عوام تو کیا بہت سے پڑھے لکھے اس حقیقت سے بے خبر ہیں لیکن غیر مقلدین کو یقین ہے کہ صحابہ کرام کا اکثر مسائل میں اختلاف منقول ہے اسی اختلاف سے نہ صرف غیر مقلدین بلکہ تمام بدمذاہب فائدہ اُٹھا کر عوام کو بہکاتے ہیں اور ان کا اختلاف برائے اختلاف نہیں بلکہ صحبت نبوی میں کثرت حاضری یا حضوری یا کم حاضری پر مبنی ہے یہ طویل بحث ہے اسے احناف کے مذہب تحقیق کے بعد سمجھا جا سکتا ہے کہ احناف کے اکثر دلائل ومسائل کا تعلق ان صحابہ کی نقول سے

ہے جوحضوری دربار تھے مثلاً خلفائے راشدین وعبادلہ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور غیر مقلدین ایسے ہی دوسرے بدمذاہب بلکہ اکثر اہل مذاہب کے دلائل ومسائل کا تعلق کم حاضری وغیر حاضری والے صحابہ کرام سے منقول ہیں جنہیں ایک یادوبار حاضری نصیب ہوئی۔

الحمد للہ ترک القرات خلف الامام چالیس ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے جوحضوری بلکہ منظور نظر ہیں مثلاً خلفائے راشدین وعبادلہ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم جن کے حوالے آگے آتے ہیں بلکہ صاحب ہدایہ نے اس پر اجماع صحابہ کا دعویٰ کیا ہے۔شارحین ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس اجماع سے اکثریت صحابہ مراد ہیں۔صحابہ کرام کے بعد تابعین وتبع تابعین میں سے بھی اکثریت ترک القرہ کی ہے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دلائل اکثریت صحابہ وتابعین سے منقول ہیں اسی لئے اس کو ترجیح ہے اور اہل اسلام سے مخفی نہیں کہ قرآن کریم اور احادیث شریف کے بعد دینی مسائل میں جن حضرات کی طرف نگاہیں اُٹھ سکتی ہیں وہ شمع رسالت کے پروانے اور فیض نبوت سے مستفید صحابہ کرام کی جماعت ہی ہوسکتی ہے اور ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا دور ہے۔

اب مسئلہ قرأت خلف الامام کے بارے میں بعض صحابہ کرام اور تابعین اور بعض دیگر ائمہ عظام کے آثار واقوال پیش کئے جاتے ہیں۔

خلفائے راشدین

امام عبدالرزاق حضرت موسیٰ بن عقبہ سے نقل فرماتے ہیں کہ

ان ابابکر و عمر و عثمان ینهون عن القراۃ خلف الامام

(عمدۃ القاری جلد ۳ صفحہ ۶۷،واعلاء السنن جلد ۴ صفحہ ۸۵)

حضرت ابوبکر،حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرماتے تھے۔

(۲)امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں محمد بن عجلان سے بواسطہ داؤد بن قیس نقل کیا ہے

ان عمر بن خطاب قال لیت فی فم الذی یقرء خلف الاما م حجر

حضرت عمر نے فرمایا کاش جوشخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کے منہ میں پتھر ڈالے جائیں۔

(موطا امام محمد صفحہ ۹۷)

(۳)امام عبدالرزاق اپنی مصنف میں روایت کرتے ہیں

قال علی من قرء مع الامام فلیس علی الفطرۃ

حضرت علی نے فرمایا جس شخص نے امام کے پیچھے یعنی امام کے ساتھ قرأت کی وہ فطرت پر نہیں ہے۔

(الجواہر النقی جلد ۲ صفحہ ۱۶۹)

(۴) حافظ ابوعمر بن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

ثبت عن علی وسعد و زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال لا قراۃ مع الامام لا فیما اسر ولا فیما جھر

حضرت علی اور حضرت سعد اور حضرت زید بن ثابت سے ثابت ہے کہ امام کے ساتھ نہ سری نمازوں میں قرأت کی جاسکتی ہے اور نہ جہری نمازوں میں۔

(۵) امام ابوبکر ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ

اقرء خلف الامام؟فقال ان فی الصلوۃ شغلا و سیکفیك قراۃ الامام

کیا میں امام کے پیچھے قرأت کرسکتا ہوں؟ تو حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ امام قرأت میں مشغول ہے اور تجھے امام کی قرأت کافی ہے۔(الجوہر النقی جلد۲صفحہ۱۷۰)

فائدہ: یہ حدیث کتب احادیث (۱) مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱صفحہ ۳۷۶ (۲) مصنف عبدالرزاق جلد۲صفحہ ۱۳۸ (۳) طبرانی کبیر جلد۹صفحہ ۳۰۳ میں ہے۔عبدالرزاق اور بخاری کی ایک ہی سند یوں ہے

عبدالرزاق عن منصور عن ابی وائل قال جاء رجل...... الخ

لطیفہ

غیر مقلد تو بخاری کے مقلد ہیں کہتے ہیں بخاری میں کہاں ہے؟ یہ نہیں کہتے حدیث صحیح سند کے ساتھ دکھاؤ تو ہم نے یہ حدیث امام بخاری کے دو استادوں کی عرض کی ہے اور ان کے وہی راوی ہیں جو امام بخاری کے راوی ہیں چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ کی سند بخاری کی سند جلد ۱صفحہ ۱۵۳ ایسے ہی عبدالرزاق والی سند بخاری میں جلد ۱صفحہ ۱۵۳ میں ہے۔

(۲)قال ابن مسعود لیت الذی یقرا خلف الامام ملیء فوہ ترابا

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کاش کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کا منہ مٹی سے بھر دیا جائے۔(طحاوی جلد ۱صفحہ ۱۰۷،الجوہر النقی جلد۲صفحہ ۱۲۹)

(۳) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن مسعود سے سوال کیا کہ

عن القرءۃ خلف الامام فقال انصت للقران وان فی الصلوۃ شغلا و سیکفیك ذاك الامام

کیا امام کے پیچھے قرأت کی جاسکتی ہے۔حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ قرآن کے لئے خاموش رہو امام قرأت میں

مشغول ہے اور تجھے امام کی قرأت کافی ہے۔ (سنن الکبری جلد۲ صفحہ ۱۶۰)

حضرت عبداللہ ابن عباس

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس سے دریافت کیا

اقرء والامام بین یدی قال لا

کیا میں امام کے پیچھے قرأت کرسکتا ہوں؟ حضرت ابن عباس نے جواب دیا ہرگز نہیں۔

(طحاوی جلد ا صفحہ ۱۲۹، الجوہر النقی جلد۲ صفحہ ۱۷۰، آثار السنن جلد ا صفحہ ۸۹)

حضرت زید بن ثابت

قال لایقرء خلف الامام ان جهر ولا ان خافت

امام کے پیچھے قرأت نہ پڑھی جائے امام آہستہ پڑھے یا جہر سے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۷۶)

فائدہ: یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ اور صحیحین (بخاری و مسلم) کے ہیں۔

(۲) حضرت یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرأت خلف الامام کے متعلق سوال کیا تو

قال لا قراۃ مع الامام فی شی

اُنہوں نے فرمایا امام کے ساتھ کسی نماز میں کوئی قرأت نہیں کی جاسکتی۔

(نسائی جلد ا صفحہ ۱۱۱، مسلم جلد ا صفحہ ۲۱۵، ابوعوانہ جلد۲ صفحہ ۲۰۷)

فائدہ: قال ابن تیمیه ومعلوم ان زید ابن ثابت اعلم الصحابه بالسنه وهو عالم المدينه

(فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲۳ صفحہ ۳۲۳)

حضرت زید بن ثابت کا اثر اس بات کی واضح دلیل ہے کہ امام کے ساتھ مقتدی کو کسی نماز میں قرأت کا حق نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر

امام طحاوی عبیداللہ بن مقسم کی روایت نقل کرتے ہیں کہ

انه سئل عبدالله بن عمر و زيد بن ثابت و جابر فقالو ا لا يقرء خلف الامام فی شی من الصلوة

(طحاوی جلد ا صفحہ ۱۲۹، زیلعی جلد۲ صفحہ ۱۲)

حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت زید بن ثابت اور حضرت جابر نے قراۃ خلف الامام کے بارے میں سوال کیا گیا تو

جواب میں انہوں نے فرمایا کہ امام کے پیچھے تمام نمازوں میں کوئی قرأت نہیں کی جاسکتی۔

ان عبداللہ ابن عمر کان اذا سئل هل یقرء احد خلف الامام قال اذا صلی احد کم خلف الامام فحسبه قراء ۃ الامام واذا صلی وحده فلیقراء وکان ابن عمر لا یقراء خلف الامام

(موطا امام مالک صفحہ ۲۹، دار قطنی صفحہ ۱۵۴)

یعنی جب حضرت ابن عمر سے قراۃ خلف الامام کے بارے میں سوال کیا جاتا تھا تو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے تھے کہ جب کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کو کافی ہے اور جب اکیلا پڑھے تو اکیلا قرأت کرے اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

وددت الذی یقرء خلف الامام فی فیه جمرة ۔ (جزء القرءۃ صفحہ ۱۱، موطا امام محمد صفحہ ۹۸)

میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کے منہ میں آگ کی چنگاری ڈال دی جائے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

من قرء خلف الامام صلئی فوه نارا۔ (نصب الرایہ للزیلعی جلد ۲ صفحہ ۱۹)

یعنی جس شخص نے امام کے پیچھے قرأت کی اس کا منہ آگ سے بھر دیا جائے۔

حضرت علقمه بن قیس

حضرت امام محمد فرماتے ہیں کہ ابراہیم نخعی نے کہا کہ

ماقرء علقمه بن قیس قط فیما یجهر فیه ولا فیما لا یجهر فیه ۔ (تعلیق الحسن جلد ۱ صفحہ ۹۰)

یعنی حضرت علقمہ بن قیس نے امام کے پیچھے کبھی قرأت نہیں کی نہ جہری نمازوں میں اور نہ سری نمازوں میں۔

جابر بن عبداللہ

مالك عن ابی نعیم وهب بن کیسان انه سمع جابر بن عبداللہ من صلی رکعة لم یقرء فیها بام القرآن فلم یصل الا ان یکون خلف الامام

حضرت وہب بن کیسان نے حضرت جابر عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا فرمارہے تھے کہ جس شخص نے کوئی رکعت پڑھی

اوراس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تواس نے نماز نہیں پڑھی مگر جب امام کے پیچھے ہو (تواس کی نماز ہوگئی)۔

یہ حدیث مصنف عبدالرزاق جلد۲ صفحہ ۱۲۱، سنن بیہقی جلد۲ صفحہ ۱۶۰، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۶۰، موطا امام مالک صفحہ ۶۶، ترمذی شریف جلد ا صفحہ ۷۱ میں مذکور ہے

اس کے متعلق ترمذی شریف میں ہے

هذا حديث حسن صحيح

یعنی یہ حدیث حسن صحیح ہے

(۲) مصنف عبدالرزاق جلد۲ صفحہ ۱۴۱ میں ہے

عبدالرزاق عن داؤد بن قيس عن عبيد الله بن مقسم سئالت جابر بن عبدالله اتقرء خلف الامام فى الظهر و العصر شيئا فقال لا

عبداللہ بن مقسم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ آپ امام کے پیچھے ظہر و عصر میں کوئی قرأت پڑھا کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا نہیں۔

فائدہ: یہ حدیث صحیح ہے اس کے راوی صحیحین میں مذکور ہیں اور بخاری شریف جلد ا صفحہ ۳۷۵ میں یہ تمام ایک ہی سند میں مذکور ہیں۔ (داؤد بن قیس، عبیداللہ بن مقسم، جابر بن عبداللہ)

(۳) حدثنا وكيع عن الضحاك بن عثمان عن عبيدالله بن مقسم بن جابر قال لا يقرء خلف الامام

یعنی جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت نہ پڑھی جائے۔

یہ حدیث جوہر النقی جلد۲ صفحہ ۱۶۱ اور مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۶ جلد ا میں مذکور ہے اور صحیح ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث قرأت الامام لہ قراءۃ اور دیگر آثار و فتوؤں سے واضح ہوا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنی روایت کردہ حدیث پر فتویٰ و عمل تھا اور آپ کے فتوے کے مطابق امام کے پیچھے فاتحۃ الکتاب ظہر و عصر وغیرہ کسی نماز میں نہیں۔

جوہر نقی کے صفحہ مذکور میں ہے

الصحيح عن جابر ان الموتم لا يقرا مطلقا

یعنی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح یہ ہے کہ مقتدی قراءۃ قرآن (سورۂ فاتحہ وغیرہ) کسی نماز میں نہ پڑھے۔

(۴)عن ابی اسحق ان علقمه قال وددت ان الذی یقرء خلف الامام صلی فوہ احسبه قال ترابا او رضفا۔ (الجوہر النقی جلد۲صفحہ۱۶۹)

یعنی ابواسحاق فرماتے ہیں کہ علقمہ نے فرمایا کہ میں پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کے منہ کو بھر دیا جائے ابواسحٰق فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں اُنہوں نے کہا ہے کہ مٹی سے یا گرم پتھر سے۔

تابعین

عمر و بن میمون

حضرت ابن مسعود کے تلامذہ سے سوال کیا گیا جن میں سے حضرت عمرو بن میمون خاص طور پر قابل ذکر ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت کرنی چاہیے یا نہیں تو فرمایا:

کلهم یقولون لا یقرء خلف الامام۔ (تعلیق الحسن جلد۱صفحہ۱۱۰)

یعنی حضرت ابن مسعود کے ان سب تلامذہ نے کہا کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی چاہیے۔

اسود بن یزید

مشہور تابعی حضرت اسود بن یزید فرماتے ہیں

لان اعض جمرة احب الی من ان اقرء خلف الامام وانا اعلم انه یقرء۔
(تعلیق الحسن جلد۱صفحہ۹۱واسنادہ صحیح)

میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اپنے منہ میں آگ کی چنگاری ڈال لوں بجائے اس کے کہ میں امام کے پیچھے قرأت کروں جبکہ مجھے اس قرأت کا علم ہے۔

سوید بن غفله

ولید بن قیس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سوید بن غفلہ سے سوال کیا کہ

واقرء خلف الامام فی الظهر والعصر قال لا ۔ (تعلیق الحسن جلد۱صفحہ۹۱واسنادہ صحیح)

کیا میں ظہر وعصر کی نماز میں امام کے پیچھے پیچھے قرأت کرسکتا ہوں؟ اُنہوں نے فرمایا ''نہیں''۔

سعید بن مسیب

حضرت سعید ابن مسیب فرماتے ہیں کہ

انصت للامام ۔ (تعلیق الحسن صفحہ۹۱واسنادہ صحیح)

امام کے پیچھے خاموشی اختیار کرو اور قرأت نہ کرو۔

سعید بن جبیر

بشر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن جبیر سے سوال کیا

عن القراۃ خلف الامام قال لیس القراۃ خلف الامام۔ (تعلیق الحسن جلد ا صفحہ ۹۰، روایۃ کلھم ثقات)

کیا امام کے پیچھے قرأت کی جاسکتی ہے؟ فرمایا امام کے پیچھے کوئی قرأت نہیں کی جاسکتی۔

قرأت خلف امام بدعت ھے

حضرت ابراہیم فرماتے ہیں:

اول ما احدثوا القراۃ خلف الامام و کانوا لا یقرئون

لوگوں نے قرأت خلف الامام کی بدعت ایجاد کی ہے اور وہ (صحابہ کرام) امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔

(الجوہر النقی جلد ۲ صفحہ ۱۶۹)

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ

امام ابوداؤد حضرت عبادہ بن صامت کی مرفوع حدیث کا مطلب یہ لکھتے ہیں:

لا صلوۃ لمن لم یقراء بفاتحہ الکتاب قال سفیان لم یصلی وحدہ۔ (ابوداؤد جلد ا صفحہ ۱۱۹، ۸۳)

جس شخص نے سورۂ فاتحہ پڑھی تو اس کی نماز نہیں ہوتی حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ یہ حکم منفرد کے لئے ہے۔

یعنی حضرت سفیان بھی قرأت خلف الامام کے قائل نہیں ہیں اور فرماتے ہیں کہ قرأت خلف الامام فاتحہ کا حکم مقتدی کے لئے نہیں بلکہ منفرد کے لئے ہے۔

سند الحدیث از امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے حضور سرورِ عالم ﷺ کے پیچھے نماز میں قرأت کی اسے ایک صحابی نے روکا تو اس شخص نے کہا کہ آپ مجھے قرأت خلف الامام سے روکتے ہیں۔ دونوں جھگڑتے ہوئے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ذیل کے الفاظ ارشاد فرمائے۔ (قال محمد فی الاثار) اس میں حدیث کی سند یوں ہے:

اخبرنا ابو حنیفہ قال حدثنا ابو الحسن موسی ابن ابی عائشہ عن عبداللہ بن شداد بن الحاد عن جابر بن عبداللہ عن النبی ﷺ من صلی خلف الامام فان قراۃ الامام لہ قراءۃ

جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔

امام محمد نے فرمایا

وبہ ناخذ وھو قول ابی حنیفہ

اسی کو ہم لیتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔

(کتاب الحجہ امام محمد جلد ۱ صفحہ ۱۱۸، واللفظ منہ مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۶۱، موطا امام محمد صفحہ ۹۴، بیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۵۹، طحاوی جلد ۱ صفحہ ۱۴۹، مسند امام ابو یوسف صفحہ ۲۳)

یہ حدیث صحیح ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی یہی دلیل ہے۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سند مذکور کے علاوہ اس کی کئی سندیں ہیں۔

سند ۱

حدثنا مالك بن اسماعيل عن حسن بن صالح عن ابی الزبير عن جابر عن النبی ﷺ

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۶)

سند ۲

رواه عبدالحميد ثنا ابو نعيم ثنا الحسن بن صالح عن ابی الزبير عن جابر عن النبی ﷺ

(فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۲۹۴، جوہر نقی جلد ۱ صفحہ ۱۵۹)

سند ۳

مسند احمد حدثنا اسود بن عامر ثنا الحسن بن صالح عن ابی الزبير عن جابر عن النبی ﷺ

(مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۳۳۹)

سند ٤

خبرنا اسحق الازرق ثناء سفيان و شريك عن موسى بن ابی عائشه عن عبدالله بن شداد بن جابر قال قال رسول الله۔ (الحدیث)

(فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۲۹۵، امام الکلام صفحہ ۱۹۷، التعلیق الحسن صفحہ ۱۱۴، کتاب الآثار امام محمد صفحہ ۶۵، سنن بیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۵۹)

امام ابو حنیفه کے راویوں کا تعارف

موسیٰ بن ابی عائشہ، عبد اللہ بن شداد، حضرت جابر بن عبد اللہ اور یہ سند نہایت صحیح ہے۔

(۱) اس کا پہلا راوی موسی بن ابی عائشہ صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۳، جلد ۲ صفحہ ۷۳۳، جلد ۲ صفحہ ۷۳۴، جلد ۲ صفحہ ۱۴۶ وغیرہ میں ۹ جگہ مذکور ہے۔ بخاری شریف میں ہے کان ثقہ یعنی موسیٰ بن ابی ثقہ تھا۔

(۲) دوسرے راوی عبد اللہ بن شداد ولیسی ابوالولید مدنی صحابی یا ثقات تابعین سے ہیں۔

فتح الباری شرح صحیح بخاری باب المباشرہ الحیض جلد ا صفحہ ۴۰۵ میں ہے **له روایه**

یعنی عبد اللہ بن شداد کے لئے نبی کریم ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہے (صحابی ہے)

بخاری شریف جلد ا صفحہ ۵۵، جلد ۲ صفحہ ۹۱۳ وغیرہ سترہ جگہ میں مذکور ہیں اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں جو نبی کریم ﷺ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔

مسئلہ

احناف کے نزدیک نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اگر عمداً ترک ہو جائے تو نماز نہ ہوگی بھول کر چھوڑے تو سجدہ سہو واجب ہوگا (یہ منفرد اور امام کا حکم ہے) مقتدی کے لئے نہیں۔

مسئلہ

سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھی ہی نہیں جاتی۔ غیر مقلدین کہتے ہیں نماز میں اس کا پڑھنا فرض ہے اس لئے وہ ہر نماز میں اس کا پڑھنا ضروری سمجھتے ہیں یہاں تک کہ امام کے پیچھے بھی پڑھتے رہتے ہیں۔ ہمارے دلائل مندرجہ ذیل روایات سے ہیں۔

(۱) مسلم شریف میں **تشهد فی الصلوة** کے باب میں ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو صفیں سیدھی کرو اور تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھائے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو جب وہ **غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْن** کہے تو تم آمین کہو۔ (الحدیث)

فائدہ: اگر سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہوتا تو آپ فرماتے جب امام سورۂ فاتحہ پڑھے تو تم بھی سورۂ فاتحہ پڑھو حالانکہ ایسا نہیں فرمایا جب امام فاتحہ پڑھ چکے تو تم آمین کہو۔ اس کی تائید اس باب میں مسلم کی حدیث سے ہوتی ہے جو انہوں نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور کہا **(انصتوا)** کا اضافہ صحیح

ہے۔ جب امام مسلم سے پوچھا گیا کہ یہ اضافہ صحیح ہے تو تم نے اسے صحیح مسلم میں اضافہ کیوں نہیں کیا تو امام مسلم نے جواب دیا یہ ضروری نہیں کہ جو بھی میرے نزدیک صحیح ہو میں اسے اس کتاب میں ذکر کروں۔

(۲) امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سجود التلاوۃ کے باب میں زید بن ثابت سے ذکر کیا کہ جب ان سے امام کے پیچھے قرأت کے متعلق پوچھا گیا تو اُنہوں نے فرمایا:

لا قراۃ مع الامام فی شیء

نماز میں امام کے ساتھ قرأت کرنا جائز نہیں۔

نسائی نے اس حدیث کو سجود التلاوۃ میں ذکر کیا۔

(۳) ابن ماجہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

من کان لہ امام فقراء ۃ الامام قراء ۃ لہ

جوشخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت مقتدی کی قرات قرار پاتی ہے۔

(۴) دارقطنی نے سنن میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من کان لہ امام قراء ۃ الامام لہ قراء ۃ

جوشخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت مقتدی کی قرات پاتی ہے۔

اسی حدیث کو طبرانی نے اوسط میں ابو سعید خدری سے اور دارقطنی نے سنن میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے نیز دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

یکفیک قراء ۃ الامام خافت او جھر

امام بلند آواز سے یا آہستہ پڑھے تجھے اس کی قرأت کافی ہے۔

(۵) امام عبدالرزاق نے مصنف میں موسیٰ بن عقبہ سے روایت کی کہ ابوبکر و عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم امام کے پیچھے قرأت سے منع کیا کرتے تھے۔

عقلی دلیل

اگر سورۂ فاتحہ کا پڑھنا امام اور مقتدی پر فرض ہوتا تو فرض کے ترک سے نماز فاسد ہو جاتی ہے حالانکہ سرورِ کائنات ﷺ نے بیماری کے آخری روز جو نماز پڑھی اس میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام تھے اور جب آپ ﷺ

تشریف لائے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیچھے ہٹ گئے۔ آپ ﷺ نے اس آیت سے قرأت شروع کی جہاں سے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھوڑی تھی اور کہیں بھی یہ منقول نہیں کہ آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھی ہو حالانکہ وہ نماز بلا کراہت کامل تھی۔ معلوم ہوا کہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں بلکہ واجب ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور وہ بھی جو نمازی تنہا نماز پڑھے یا امام نماز پڑھا رہا ہے تو مقتدی خاموش رہے کیونکہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے۔

مناظرہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قائلین قرأت فاتحہ خلف الامام کے چند افراد مسئلہ ہذا پر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا آپس میں مشورہ کر کے ایک کو امیر اور مقابل منتخب کرلو جس کی ہار جیت تم سب کی ہار جیت ہو۔ سب نے اس تجویز کو قبول کر کے اپنا ایک نمائندہ مقرر کیا جب سب اس کی نمائندگی سے راضی ہوگئے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہی میرا موقف ہے جسے تم سب نے تسلیم کرلیا وہ یہ کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات مطلوب ہے ان سب میں ہم نے ایک کو مقرر کرلیا جو تمام مقتدیوں کی طرف سے نمائندگی کرتا ہے۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر سے تمام مخالفین لاجواب ہوگئے۔

سوالات وجوابات

سوالات غیر مقلدین سے پہلے قواعد یاد رکھیں اکثر روایات مطلق ہیں جن کی مراد یہ ہے کہ انسان تنہا پڑھے یا امامت کرے اس میں فاتحہ عمداً ترک کردے وہ نماز فاسد ہے۔

(۱) عموماً احادیث مبارکہ میں فعل کی نفی سے اصل فعل کی نفی مراد نہیں ہوگی بلکہ فضیلت وکمال کی نفی مراد ہوتی ہے جیسے

لا صلوة لجار المسجد الا فی المسجد

مسجد کے ہمسایہ کی نماز مسجد کے سوا نماز نہ ہوگی۔

ایسے ہی

لاصلوة لمن لم یقرء فاتحه الکتاب۔ (بخاری جلد ا صفحہ ۱۰۴)

جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی۔

فائدہ: جیسے مسجد کے ہمسایہ کی نماز گھر میں پڑھنے کی فضیلت کی نفی ہے ایسے قراءۃ خلف الامام کے ترک میں فضیلت کی نفی ہے۔

(۲) حکم مطلق ہو تو اسے مقید کرنا جائز نہیں جب تک کہ صریح الفاظ نہ ہوں اپنے قیاس وگمان سے مقید نہیں کیا جا سکتا جیسے مذکورہ بالا حدیث مطلق ہے اس کے لئے صاف الفاظ ضروری ہیں یعنی ایسی صحیح ومرفوع حدیث لانا لازم ہے جس میں ہو کہ امام کے پیچھے بھی فاتحہ پڑھنا ضروری ہے کہ اس کے بغیر نماز فاسد ہوگی۔

(۳) دعوی کے مطابق دلیل ہو۔ دعویٰ عام ہے تو دلیل بھی عام اگر دعویٰ خاص ہے تو دلیل بھی خاص۔ حدیث مذکور میں تو دعویٰ خاص ہے اور دلیل عام ہے کہ نہ اس میں مقتدی کی قید ہے اور نہ خلف الامام کی جب تک دعویٰ اور دلیل میں مطابقت نہ ہوا ایسا دعویٰ قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ حدیث **لا صلوۃ...... الخ** مطلق ہے اس لئے ثابت کرنا ہے کہ مذکورہ حدیث کس کے حق میں ہے امام اور منفرد کے حق میں ہے یا مقتدی کے حق میں ہے ہم نے اس حدیث کے تمام طرق پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی تو اسی حدیث میں یہ زیادتی بھی مل گئی کہ

لا صلوۃ لمن لم یقرء فاتحہ الکتاب فصاعدا۔ (مسلم شریف جلد ا صفحہ ۱۶۹، ابو عوانہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۴)

جس شخص نے سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ اور نہ پڑھا تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔

اگر غیر مقلدین کے نزدیک مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ اور **فصاعدا** اس کے ساتھ اور بھی کچھ پڑھنا جائز ہے تو یہ حکم مقتدی کے لئے ہے اگر جائز نہیں تو یہ حکم صرف اور صرف اُس شخص کے لئے ہوگا جس کے لئے سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ اور کچھ پڑھنا بھی ضروری ہو تو وہ صرف امام اور منفرد ہو سکتا ہے مقتدی ہرگز نہیں ہو سکتا۔

بہرحال غیر مقلدین کے نزدیک بخاری شریف کی مذکورہ حدیث مایہ ناز ہے اسے ہم نے قواعد کے ساتھ صاف کر دیا اب اس کی جتنی روایات ہیں اس کے لئے یہی تحقیق ہے جو ہم نے بیان کی۔

سوال

من صلی صلوۃ لم یقرء فیھا بام القران فھی خداج۔ (مسلم جلد ا صفحہ ۱۵۹)

ہر وہ نماز جو سورۂ فاتحہ کے بغیر پڑھی جائے وہ ناقص ہے۔

جواب

دراصل غیر مقلد حدیث کو جملہ طرق سے نہیں دیکھتے یہ روایت دراصل یوں ہے

کل صلوۃ لم یقراء فیھا بام الکتاب فھی خداج الا صلوۃ خلف الامام

ہر وہ نماز جو سورۃ فاتحہ کے بغیر پڑھی جائے وہ ناقص ہے ہاں مگر وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے اور یہ استثنا ہے۔

(کتاب القرءۃ للبیہقی صفحہ ۱۳۵)

الا صلوۃ خلف الامام یہ علاء بن عبدالرحمٰن راوی نے پچھلے الفاظ چھوڑ دیئے۔

راوی ضعیف

علاء بن عبدالرحمٰن کے بارے میں امام یحییٰ ابن معین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

لیس حدیثه بحجحه

علاء بن عبدالرحمٰن کی حدیث حجت نہیں ہوسکتی۔

(۲) ابن عدی کولیس بالقوی کہتے ہیں۔امام ابوحاتم کا بیان ہے کہ ان کی بعض حدیثیں منکر ہوتی ہیں۔

(کتاب الانصاف صفحہ ۷۶۱، میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲۱۲، تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۱۸۶)

سوال

غیر مقلدین کی اسی حدیث کے راوی سے یہ حدیث بھی روایت ہے تو پھر اس پر عمل کیوں؟

کنا خلف رسول الله فی صلوة الفجر فقرا رسول اللهﷺ فثقلت علیه القرء ة فلما فرغ قال لعلکم تقرء ون خلف امامکم قلنا نعم هذا یارسول الله قال لا تفعلوا الا بفاتحه لا کتاب فانه لا صلوة لمن لم یقرء ها ۔ (ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۸۳)

جواب

(۱) اس روایت کا راوی محمد بن اسحاق ہے جس کے متعلق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ دجالوں میں سے ایک دجال تھا۔ (میزان جلد ۳ صفحہ ۲۱)

(۲) میتب ابن خالد اس کو جھوٹا اور کذاب کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۴۵)

امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن القطان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے۔ (میزان جلد ۳ صفحہ ۲۱)

(۳) اس روایت میں ایک راوی مکحول بھی ہے جس کے متعلق ابن سعد فرماتے ہیں کہ محدثین کی ایک جماعت نے مکحول کی تضعیف کی اور مکحول صاحب تدلیس بھی تھے۔ (میزان جلد ۳ صفحہ ۱۹۸)

(۴) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ مکحول نے دیگر صحابہ سے عموماً اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خصوصاً کوئی روایت نہیں سنی وہ محض تدلیس سے کام لیتے تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۲۹۲)

سوال کے جوابات

غیر مقلدین کو روایات **کل صلوۃ**...... الخ (وہ نماز جس میں فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ نماز خداج ناقص ہے) پر بڑا ناز ہے حالانکہ انہی لفظ خداج (ناقص) سمجھ میں نہیں آیا کیونکہ کسی چیز کا ناقص ہونا اصل شے کے وجود کی نفی نہیں کرتا ہاں نفی کمال پر دلالت کرتا ہے اور وہ مخالفین یعنی غیر مقلدوں کو مفید نہیں جیسا کہ ایک حدیث جو ترمذی نے روایت کی ہے:

عن الفضل بن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ الصلوۃ مثنی مثنی تشھد فی کل رکعتین و تخشع وتضرع وتمسکن ثم تقنع یدیک یقول ترفعھما الی ربك مستقبلا بطونھما وجھك وتقول یارب یارب ومن لم یفعل ذالك فھو کذا و کذا وفی روایه فھو خداج

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نماز دو رکعت ہے ہر دو رکعت میں تشھد ہے اور **تخشع وتضرع و تمسکن** (مسکینی ظاہر کرو) پھر دونوں ہاتھوں کو باندھ کر اپنے خدا کی طرف اُٹھاؤ ان کے پیٹوں کو اپنے چہرے کی طرف اُٹھاتے ہوئے اور کہو یارب یارب جو ایسا نہیں کرتا تو ایسا ہے ایسا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ خداج ہے یعنی اس کی نماز ناقص ہے۔

انتباہ

اس حدیث میں خداج کا لفظ ہے۔ ظاہر ہے کہ بعد نماز تضرع و تخشع و تمسکن و دعا کا ہاتھ اُٹھا کر ہتھیلیوں کو منہ کی طرف کرنا واجب نہیں اور اس مجموعے یا ایک کا ان میں سے نہ ہونا اصل نماز کا مطلب نہیں بلکہ یہ اُمور مستحبات میں سے ہیں تو کلمہ خداج فرضیت وایجاب پر دلالت نہیں کرتا جیسے اس حدیث شریف میں خداج کا لفظ فضیلت وکمال کی نفی کی دلیل ہے نہ کہ وجوبِ فرضیت کی ایسے نماز کو سمجھے

لا صلوۃ الا بفاتحه

اس جیسی روایات پر غیر مقلدین نازاں ہیں اس کے اکثر جوابات فقیر سابقاً لکھ چکا ہے چند دیگر نظائر حدیث میں ملاحظہ ہوں جن میں ثابت ہے کہ مذکورہ بالا روایت کی طرح ان میں فضیلت وکمال کی نفی ہے نہ کہ اصل فعل کی۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

قال علیه السلام لا صلوۃ لجار المسجد الا فی المسجد وقال علیه السلام لا صلوۃ للعبد الا بق حتی یرجع......الحدیث وقال علیه السلام لا صلوۃ بھذه الطعام

(۱) مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے سوا نہیں (۲) بھاگے ہوئے غلام کی کوئی نماز نہیں جب تک کہ واپس نہ لوٹے

(۳) طعام کی موجودگی میں (کھانا تیار ہونے کی صورت میں) نماز نہیں اگر پڑھ بھی لی تو نہ پڑھنے کے برابر۔

فائدہ: اسی قسم کی روایات کا یہ مطلب ہے کہ نماز تو ہو جائے گی لیکن فضیلت وکمال کے بغیر ایسے ہی ہم کہتے ہیں کہ فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز میں وہ فضیلت نہیں جو فاتحہ پڑھنے سے ہے۔ تفصیل کتب فقہ میں ہے

قرآن مجید میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک قوم سے معاہدہ کیا اور قسمیں کھائیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اِنَّهُمْ لَآ اَیْمَانَ لَهُمْ (پارہ ۱۰، سورۃ التوبۃ، ایت ۱۲)

ترجمہ: بیشک ان کی قسمیں کچھ نہیں۔

اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ ان کی قسموں کا اعتبار نہیں اس لئے کہ ان کے معاہدے اور قسمیں غیر معتبر ہیں وغیرہ وغیرہ۔

بفیضان تاجدارِ اہلِ سنّت حضور مفتی اعظم محمد مصطفےٰ رضا قادری نوری رضی اللہ عنہ

ردِ غیر مقلدین میں علامہ فیض احمد اویسی صاحب کے رسائل کا مجموعہ

غیر مقلدوں کا آپریشن

حضور مفسرِ اعظم پاکستان، فیضِ ملت، شیخ القرآن والحدیث، خلیفۂ مفتی اعظم ہند
علامہ الحافظ مفتی پیر محمد فیض احمد اویسی رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

- فقہ حنفی اور وھابی
- گستاخی کس چیز کا نام ہے
- غیر مقلدین کی ننگے سر نماز
- آمین آہستہ کہنے کا ثبوت
- اذان سے قبل درود و سلام پڑھنا
- قرأت خلف الامام
- مزارات کے قبہ جات کا ثبوت

ناشر: جماعت رضائے مصطفےٰ
اورنگ آباد، مہاراشٹر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رحمۃ للعالمین

مزارات کے
قبّہ جات کا ثبوت

تصنیفِ لطیف

شمس المصنفین، فقیہ الوقت، فیضِ ملّت، مُفسرِ اعظم پاکستان

حضرت علامہ ابو الصالح مفتی محمد فیض احمد اُویسی دامت برکاتہم القدسیہ

ناشر: جماعت رضائے مصطفیٰ

شاخ اورنگ آباد، مہاراشٹر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

اما بعد! قبورِ اولیا پر قبے بنانا اور ان کی قبور کو پختہ بنانا بلکہ بوقتِ ضرورت عوام کی قبور بھی پختہ کرنا شرعاً جائز ہے۔ قرآنِ مجید، احادیث مبارکہ اور فقہاے کرام کی تصریحات سے ثابت ہے بلکہ جو روایات مخالفین پیش کرتے ہیں وہ بھی ہماری مؤید ہیں۔ اگرچہ وہ ان کا مفہوم غلط بتاتے ہیں۔ ان کے جوابات ہم آگے چل کر عرض کریں گے۔ اس مختصر رسالہ میں مختصر دلائل عرض کرتا ہوں۔

بیدہ التوفیق والصواب

محمد فیض احمد اویسی

مقدمہ

اہلِ قبور کی دو قسم ہیں:

(۱) جن لوگوں نے اپنی حیات میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کے لیے اُن کی یادگار قائم کی جائے۔ ایسے شخص کو زیرِ زمین دفن کر دینا ہی کافی ہوتا ہے جیسے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو مار کر زیرِ زمین دفن کر دیا تھا۔ اسی لیے عوام کے لیے ہم اہلِ سنت نہ قبے بناتے ہیں نہ پختہ بناتے ہیں بلکہ قبور کو کھلا رکھتے ہیں۔

(۲) جن لوگوں نے اپنی حیات میں کوئی ایسا کام کیا جس کے لیے آئندہ نسلوں میں ان کی یاد باقی رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ایسے حضرات سے عوام کو روحانی طور پر محبت وعقیدت ہوتی ہے نیز ان سے فیوض وبرکات حاصل ہوتے ہیں اور ان سے توسل کیا جاتا ہے، اسی لیے ان کے مزارات پر عوام وخواص کا ہجوم رہتا ہے۔ اُن عوام کی سہولت کے لیے کوئی عمارت تعمیر کرنا، ان کے لیے روشنی کرنا علاوہ ازیں عموماً قبور کو اہانت سے بچانا ضروری ہے اور ان کے لیے روشنی کا انتظام کرنا ایک کارِ خیر ہے نیز ان بزرگوں کی قبور کو کھلا رکھنے میں ان کی اہانت وتحقیر بھی ہے حالانکہ ایسی قبور شعائر اللہ میں شامل ہیں اور شعائر اللہ کو اہانت وتحقیر سے بچانا ضروری ہے۔ جب بالخصوص اولیا کرام کے مزارات کی تعظیم وتکریم شعائر اللہ کے حکم میں ہے اور ان کی تعظیم وتکریم یونہی ہوسکتی ہے کہ وہ مزارات محفوظ اور مضبوط ہوں، نیز ان پر قبہ جات اور نہایت مزین ومنقش ہوں اور ہر طرح کی زیب وزینت ہو تاکہ عوام کی نگاہوں میں اولیا کرام کی عظمت وعزت زیادہ سے زیادہ جگہ لے۔ ہمارے نزدیک انبیا کرام واولیا عظام مزارات میں زندہ ہیں، سنتے دیکھتے، جانتے ہیں۔ ان کے مزارات پر حاضری سے مشکلات آسان ہوجاتی ہیں اور وہ ہماری دعاؤں کے وسیلہ ہیں۔ بارگاہِ حق میں ان کی ہر بات سنی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں، تمام اس کے محتاج

ہیں لیکن اسے انبیا کرام واولیا عظام سے اتنا پیار ہے کہ ان کی بات نہیں ٹھکراتا۔ اسی لیے عوام کا مزاراتِ اولیا کرام پر تانتا بندھا رہتا ہے۔ انہی ضروریات کے پیشِ نظر مزاراتِ انبیا واولیا پر قبہ جات وغیرہ بنائے جاتے ہیں اور دیگر اُمور بھی مثلاً غلاف ڈالنا، چراغاں کرنا، مزارات کو سجانا، عرس وغیرہ پر اور بار بار حاضر ہونا وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کے لیے علیحدہ علیحدہ تصنیفات موجود ہیں، یہاں صرف قبہ جات اور ساتھ ہی مساجد کے متعلق دلائل عرض کرتا ہوں۔

لطیفہ } نجدی، وہابی، دیوبندی ان مساجد کو بھی ڈھا دینا ضروری سمجھتے ہیں جو مزارات کے متصل ہوں، گویا یہ بغضِ اولیا میں اسلام کے شعائر کے بھی دشمن ہیں۔

{باب اوّل}

وَ كَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْۤا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰۤى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝ (پارہ ۱۵، سورۂ الکہف، آیت ۲۱)

اور اسی طرح ہم نے ان کی اطلاع کردی کہ لوگ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کچھ شبہ نہیں جب وہ لوگ ان کے معاملے میں باہم جھگڑنے لگے تو بولے ان کے غار پر کوئی عمارت بناؤ ان کا رب انہیں خوب جانتا ہے وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے تھے قسم ہے کہ ہم تو ان پر مسجد بنائیں گے۔

فائدہ } اصحابِ کہف ایک غار میں جا چھپے اور تین سو نو سال تک اس غار میں سوتے رہے، جس وقت جاگے تو انہوں نے ایک شخص کو شہر میں کھانا لانے کے لیے بھیجا۔ اس عرصے میں کئی بادشاہتیں گزر چکی تھیں اور شہر کی حالت تبدیل ہو چکی تھی۔ اس نے قدیم زمانے کا سکہ جس وقت دکھایا تو اُسے تھانے میں پیش کیا گیا۔ اس سے تمام شہر کے لوگوں کو اصحابِ کہف کی خبر ہوگئی۔ تاریخ دانوں نے بتایا کہ عرصہ تین سو نو سال کا ہوا ہے (قرآن

مجید میں اس کی تائید موجود ہے) کہ فلاں بادشاہ کے وقت فلاں فلاں لوگ بھاگ گئے تھے اور پھر ان کا پتہ نہیں ملتا تھا۔ اسی طرح لوگوں کو اصحابِ کہف کے متعلق خبر ہوگئی۔ لوگ دو گروہ بن گئے جن میں جھگڑا تھا کہ کوئی کہتا تھا کہ قیامت آئے گی اور کوئی کہتا تھا نہیں آئے گی اور جو لوگ قیامت کے قائل تھے ان کے اعتقاد کو اصحابِ کہف کی بدولت تقویت مل گئی اور سب لوگ کہنے لگے کہ قیامت واقعی ضرور آئے گی۔

استدلال } اصحابِ کہف اُن سب لوگوں کے سامنے جس وقت دوبارہ غار میں گئے تو ان کی جانیں قبض ہوگئیں۔ جو باتیں لوگوں نے آپس میں کی تھیں کہ وہ لوگ آپس میں جھگڑتے تھے کہ اصحابِ کہف پر کوئی عمارت بنا دو تاکہ آئندہ نسل کے لیے یادر ہے کہ اصحابِ کہف جو تین سو سال تک غار میں زندہ رہے تھے تو وہ یہ غار ہے جس میں اصحابِ کہف ہیں اور اس بات پر سب متفق تھے اور جو لوگ قیامت ہونے کے قائل تھے اور جن کے اعتقاد کو تقویت ملی تھی انہوں نے کہا کہ ہم ان پر مسجد بنائیں گے۔ اس آیت سے ظاہر ہوگیا کہ اگر کسی ولی کے وصال کے بعد اُس کی یاد باقی رکھنے کے لیے اُس کی قبر پر عمارت بنائی جائے تو جائز ہے اور ساتھ ہی مسجد بھی۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (پارہ ۱۰، سورۂ التوبہ، آیت ۸۴)

اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا بیشک وہ اللہ ورسول سے منکر ہوئے اور فسق ہی میں مر گئے۔

اگرچہ یہ آیت عبداللہ بن ابی بن سلول منافق کے حق میں نازل ہوئی لیکن حکم عام ہے جیسے اُصول کا قاعدہ ہے کہ "العبرۃ بعموم" عموم کا اعتبار ہے۔

استدلال } آیت میں کفار و منافقین کی قبور پر کھڑے ہونے سے منع کیا گیا ہے، اس سے با قاعدہ اُصولِ تفسیر ان کے متضاد افراد یعنی اہلِ اسلام کی قبور پر جانے اور وہاں کھڑے ہونے کی اجازت کا حکم ہے۔ جیسے حدیث شریف میں ہے "فَزُوْرُوْهَا" ان کی

زیارت کرو۔

یعنی قبور کی اور قبور پر جاتے ہی "السَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ الخ" کہنے کا بھی حکم ہے، اس سے ہمارے مؤقف کی تائید ہوتی ہے کہ قبور پر نہ صرف جانے بلکہ وہاں کھڑے ہونے کا بھی حکم ہے۔ تو خالی کھڑا ہونا تو مطلوب نہیں بلکہ اس میں کچھ کرنا بھی ہے اور وہ وہی ہے جو ہم اہلِ سنت کا معمول ہے کہ عوام کی قبور پر ان کے لیے قرآن خوانی اور استغفار اور انبیا و اولیا کے مزارات پر اہلِ مزارات سے دارین کی بہبودی اور فلاح کی دعائیں اور ان سے تبرکات کا حصول۔ چنانچہ علامہ سمہودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزاراتِ انبیا و اولیا کی حاضری کی علت بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقد تكون للدعاء لأهل القبور كما ثبت من زيارة أهل البقيع، وقد تكون للتبرك بأهلها إذا كانوا من أهل الصلاح.

(وفا الوفاء بأخبادار المصطفى، الفصل الثانى فى بقية أدلة الزيارة وان لم تتضمن لفظ الزيارة نصا، جلد ۴، صفحہ ۱۸۷، دار الكتب العلمية بيروت)

کبھی مزارات پر اہلِ قبور کی دعا کے لیے جایا جاتا ہے جیسے اہلِ بقیع کی زیارت ثابت ہے اور کبھی مزارات والوں سے تبرک کے حصول کے لیے حاضری دی جاتی ہے جبکہ وہ صلحا ہوں۔

اور فرمایا:

قال أبو محمد الشارمساحى المالكى إن قصد الانتفاع بالميت بدعة إلا فى زيارة المصطفى صلى الله تعالى عليه وسلم وقبور الأنبياء والمرسلين صلوات الله وسلامه عليهم أجمعين.

(وفا الوفاء بأخبادار المصطفى، الفصل الثانى فى بقية أدلة الزيارة وان لم تتضمن لفظ الزيارة نصا، جلد ۴، صفحہ ۱۸۷، دار الكتب العلمية بيروت)

ابومحمد شارمساحی مالکی نے فرمایا کہ میت سے انتفاع کا قصد بدعت ہے سوائے

زیارتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیا مرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے۔

مالکی صاحب نے غیر انبیا علیہم السلام یعنی مزاراتِ اولیا کرام سے انتفاع کو بدعت کہا۔ اس کے رَد میں امام سبکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

وهذا الاستثناء صحيح، وحكمه فى غيرهم بالبدعة فيه نظر.

یہ استثنا صحیح اور غیر انبیا کے حق میں بدعت کے حکم میں نظر ہے۔

(وفا الوفاء بأخبادار المصطفى، الفصل الثانى فى بقية أدلة الزيارة وان لم تتضمن لفظ الزيارة نصا، جلد ۴، صفحہ ۱۸۷، دار الكتب العلمية بيروت)

اسی استثنا کو ابن العربی نے صحیح لکھ کر جب اس انتفاع کو صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک محدود کیا تو اس کے رَد میں حافظ زین الدین الحسینی الدمیاطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا، چنانچہ اسی وفاء الوفاء میں ہے کہ

ثم تعقبه بأن زيارة قبور الأنبياء والصحابة والتابعين والعلماء وسائر المرسلين للبركة أثر معروف.

(وفا الوفاء بأخبادار المصطفى، الفصل الثانى فى بقية أدلة الزيارة وان لم تتضمن لفظ الزيارة نصا، جلد ۴، صفحہ ۱۸۷، دار الكتب العلمية بيروت)

اس کا تعاقب فرمایا کہ قبور الانبیاء وصحابہ وتابعین وتمام انبیا کی زیارت برکت کے لیے اکثر مشہور ہے۔

امام غزالی قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا:

كلّ من يتبرك بمشاهدته فى حياته يتبرك بزيارته بعد موته، و يجوز شد الرحال لهذا الغرض.

(وفا الوفاء بأخبادار المصطفى، الفصل الثانى فى بقية أدلة الزيارة وان لم تتضمن لفظ الزيارة نصا، جلد ۴، صفحہ ۱۸۷، دار الكتب العلمية بيروت)

جس بزرگ کی زیارت سے اس کی حیات میں برکت حاصل کی جاتی ہے، اس کے

وصال کے بعد بھی اس سے تبرک حاصل کیا جانا جائز ہے۔ ایسے ہی اسی غرض سے ان کے مزارات کا سفر کرنا بھی جائز ہے۔

انہی وجوہ پر مزارات کی حاضری پر عوام اور مستفیض (فیض پانے والوں) کے لیے مزارات پر قبہ جات اور دیگر سہولتیں ضروری امر ہے۔

اسی آیت کے حکم پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور کو گرانے کا حکم دیا کہ وہ قبور منافقوں، یہودیوں اور کافروں کی قبروں کو ڈھا دیں لیکن وہابیوں نے اس حدیث کا غلط مفہوم لے کر صحابہ کرام، اہلِ بیت عظام اور اولیاے کرام کے قبہ جات ڈھا دیئے اور ہمارے ملک و دیگر ممالک میں رہنے والے وہابی بھی یہی چاہتے ہیں۔

اس کی مزید تحقیق آگے چل کر عرض کروں گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ○ (پارہ ۲۲، سورۂ سبا، آیت ۱۴)

پھر جب ہم نے اس پر موت کا حکم بھیجا جنوں کو اس کی موت نہ بتائی مگر زمین کی دیمک نے کہ اس کا عصا کھاتی تھی پھر جب سلیمان زمین پر آیا جنوں کی حقیقت کھل گئی اگر غیب جانتے ہوتے تو اس خواری کے عذاب میں نہ ہوتے۔

فائدہ} حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں سے بیت المقدس کی عمارت بنواتے تھے، جنوں کو حکم دیا کہ میں ایک چلہ کاٹنے لگا ہوں اور خدا کے لیے ایک لمبی عبادت کروں گا اس لیے کوئی شخص میرا مخل (خلل انداز) نہ ہو اور جنوں کو حکم دیا کہ اس اس طرح عمارت بنانا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مکان بنوایا اور اس میں کھڑے ہو گئے اور ایک لکڑی کا سونٹا اپنے ساتھ سہارے کے لیے رکھ لیا اور دروازے کو اندر کی طرف سے بند کر دیا۔ جن سمجھتے رہے کہ سلیمان علیہ السلام زندہ ہیں حالانکہ آپ کا تو وصال ہو چکا تھا، جس سونٹے کے سہارے کھڑا رہے۔ سونٹے کو دیمک نے کھایا، وہ ٹوٹا تو آپ کا جسم زمین پر

تشریف لایا۔ اب جنات کو معلوم ہوا کہ سلیمان علیہ السلام کا وصال ہو گیا ہے۔ سلیمان علیہ السلام اگر ایسا نہ کرتے تو جنات بیت المقدس کی تعمیر نہ کرتے۔ آپ نے اسی طریق سے بیت المقدس کی تعمیر کی تکمیل کرالی۔ اس سے ثابت ہوا کہ قبورِ انبیا پر قبہ بنانا سننِ انبیا علیہم السلام ہے کیونکہ سلیمان علیہ السلام نے اپنی زندگی میں اپنے لیے مکان بنا کر سونٹے کے سہارے کھڑے کھڑے جان جانِ آفریں کے سپرد کی اور قاعدہ ہے کہ نبی علیہ السلام کا جہاں وصال ہوتا ہے قبر مبارک وہاں تیار کی جاتی ہے۔ اگر قبر کے اوپر کسی قسم کی تعمیر جائز نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام یہ حکم کبھی نہ فرماتے۔ اگر ضرورت تھی تو اپنے کسی مصاحب کو وصیت فرماتے کہ چونکہ قبر پر کسی قسم کی تعمیر جائز نہیں، اسی لیے جب بیت المقدس کی تعمیر مکمل ہو جائے تو میرے اوپر کی عمارت کو ڈھا دینا۔ اسلام کا قاعدہ ہے کہ سابقہ اُمم کے احکام و مسائل کو جوں کا توں رکھا جاتا ہے، جب تک کہ ان کے لیے صریح ناسخ نہ ہو یا شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منافی نہ ہو اور قبور پر تعمیر کے احکام کا نہ کوئی ناسخ ہے اور نہ ہماری شریعت کے یہ منافی ہے۔

فائدہ} حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک عرصے تک وصال کے بعد اپنی اصلی حالت میں کھڑا رہنا عقیدۂ حیاۃ الانبیاء میں اہلِ سنت کی تائید کرتا ہے، ورنہ مخالفین تو کہتے ہیں کہ ہر انسان نبی ہو یا ولی یا عام مرنے کے بعد مٹی ہو جاتا ہے۔

مفسرین کرام} اہلِ سنت کا مقدس مذہب اسلاف صالحین کے دامن سے وابستگی کا سبق دیتا ہے، اسی لیے ہم اہلِ سنت قرآن و حدیث کا مطلب از خود بتانے کے بجائے اسلاف کی تفاسیر کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہاں پر چند مفسرین کی تصریحات ملاحظہ ہوں۔

☆ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ

اَنَّ الْكُفَّارَ قَالُوْا اِنَّهُمْ كَانُوْا عَلٰى دِيْنِنَا فَنَتَّخِذُ عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا۔

(تفسیر الرازی، سورۂ الکہف، جلد ۱۰، صفحہ ۱۸۷)

کفار کہنے لگے کہ وہ لوگ ہمارے دین پر تھے، اس لیے ان کے غار پر ہم بطوران

کی یادگار ایک عمارت بنائیں گے۔

☆صاحب تفسیر قرطبی اسی آیت کے ماتحت لکھتے ہیں:

وروی أن طائفة كافرة قالت نبني بيعة أو مضيفا۔

(تفسیر القرطبی، سورۃ الکہف، جلد ۱۰، صفحہ ۳۷۹)

کفار کے ایک گروہ نے کہا کہ ہم تو اس پر ایک یادگار عمارت یا مہمان خانہ یعنی سرائے بنائیں گے۔

☆اصحاب کہف کے غار پر کفار نے تو ایک یادگار عمارت یا سرائے تعمیر کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر مسلمانوں نے جو کہ اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو گئے تھے کہا کہ ہم تو اس غار پر مسجد بنا کر اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اس سے تبرک حاصل کریں گے اور اسی مسجد کے ذریعے سے اصحابِ کہف کے آثار ونشانات کی یادگار قائم کریں گے۔ جیسا کہ صاحبِ تفسیر مظہری نے اسی آیت کے تحت لکھا ہے:

يصلى فيه المسلمون ويتبركون بهم۔

(التفسیر المظہری، سورۃ الکہف، آیت ۲۱، جلد ۶، صفحہ ۲۳)

مسلمان اس میں نماز پڑھتے ہیں اور اس سے تبرک حاصل کرتے ہیں۔

☆تفسیر مدارک میں اسی آیت کے تحت مرقوم ہے:

يصلى فيه المسلمون ويتبركون بمكانهم۔

(تفسیر النسفی، سورۃ الکہف، جلد ۲، صفحہ ۲۳۱)

مسلمان اس مسجد میں نماز پڑھتے ہیں اور اس جگہ سے تبرک حاصل کرتے ہیں۔

☆امام فخر الدین رازی اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اہلِ ایمان نے کہا کہ

نَعْبُدُ اللهَ فِيهِ وَنَسْتَبْقِي آثَارَ أَصْحَابِ الْكَهْفِ بِسَبَبِ ذَٰلِكَ الْمَسْجِدِ۔

(تفسیر الرازی، سورۃ الکہف، جلد ۱۰، صفحہ ۱۸۷)

اس مسجد میں ہم اللہ کی عبادت کریں گے اور اسی مسجد کے سبب ہم آثارِ اصحابِ

کہف کی حفاظت کریں گے۔

فیصلہ} قرآنِ حکیم کی مذکورۃ الصدور آیت واقوالِ مفسرین سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ مزار کے اوپر تعمیر اور اس کے قرب وجوار میں مسجد کی تعمیر اور اس میں عبادت الٰہی مستحسن ہے ورنہ اللہ تعالیٰ فرمادیتا کہ غار پر مسلمانوں کا کسی قسم کی تعمیر بالخصوص مسجد تعمیر کرنا غیر مستحسن فعل تھا لیکن مسجد بنانے کی ممانعت صراحۃً تو درکنار اشارۃً وکنایۃً بھی ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہی کوئی لفظی ومعنوی اشارہ اس طرف ملتا ہے۔

{باب ۲}

گنبدِ نبوی سے قبہ جاتِ اولیا کا ثبوت} حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں آرام فرما ہیں یہی حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے۔ اگر مزار پر تعمیر ناجائز ہوتی تو صحابہ کرام کبھی ایسا نہ کرتے۔ اگر کوئی کہے کہ انبیا کرام علیہم السلام کا جہاں وصال ہوتا ہے وہیں مدفون ہوتے ہیں تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ ہم کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے تو پھر شیخین کا ساتھ مدفون ہونا ہمارا مؤید ہے، اسی لیے بوجہ ضرورت شیخین کی طرح دوسرے اولیا کرام کے مزارات پر اگر تعمیرات ہوں تو کیا حرج ہے؟

اگر مزاراتِ مطہرہ پر عمارت مثل قبہ وغیرہ بنانا بدعت وشرک وحرام قطعی ہوتا تو سلف صالحین اُسے علما واولیا کرام کے مزارات کے ساتھ اور فاروقِ اعظم جیسے جلیل صحابی وزیر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسے خود مزار اقدس کے ساتھ روا نہ رکھتے۔

قبہ مزارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ومزاراتِ خلفا رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر نظر (دیکھنا) عبادت اور اجر وثواب ہے، جیسا کہ المناسک للقاری رحمہ اللہ الباری میں ہے کہ گنبد خضرا کا دیکھنا ثواب ہے جیسے کعبہ معظمہ کو دیکھنے سے ثواب ملتا ہے۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو:

وليغتنم ايام مقامه بالمدينة المشرفة فيحرص على ملازمة المسجد وادامة النظر الى الحجرة الشريفة ان تيسر او القبة المنيفة

ان تعسر مع المهابة والخضوع والخشية والخشوع ظاهراً وباطناً فانه عبادة كالنظر الى الكعبة الشريفة.

(المسلک المتقسط شرح منسک متوسط مع ارشاد الساری، فصل ولیغتنم ایام مقامہ، صفحہ ۳۴۱، دارالکتب العربی بیروت)

مدینہ طیبہ میں گزرنے والے دنوں کو غنیمت جانے، اکثر اوقات مسجد کریم میں حاضر رہے اور ہو سکے تو مزارِ اقدس کے حجرۂ مقدسہ ورنہ اس کے گنبد مبارک ہی کو دیکھتا رہے خوف وادب وخشوع وخضوع کے ساتھ کہ اس پر نگاہ ہی عبادت ہے جیسے کعبہ معظمہ پر نظر۔

فائدہ} حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار حجرۂ عائشہ مع شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں ہے پھر اس حجرۂ اقدس کو تعمیراتِ جدیدہ سے صحابۂ کرام سے لے کر تا حال مضبوط و مستحکم کیا گیا۔ مطلقاً حرمت کا فتویٰ صادر فرمانے والے ملاحظہ فرمائیں

تعمیرات کی اجمالی فہرست:

شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے فرمایا:

امیر المومنین عمر درمسجد زیادت کرد حجرہ را از خشت خام بنا کردو.

جب امیر المومنین حضرت عمر نے مسجد میں اضافہ کیا تو حجرہ کی عمارت کچی اینٹوں کی بنادی۔

عمر بن عبدالعزیز بحکم ولید بن عبدالملک آں راهدم کردو بحجارہ منقوشہ برآوردو برظاہر آں حظیرہ دیگر بنا کرد.

عمر بن عبد العزیز نے ولید بن عبد الملک کے حکم سے اسے منہدم کر کے منقش پتھروں سے بنایا اور اس کے بیرونی حصے پر ایک اور حظیرہ (احاطہ) بنایا۔

(جذب القلوب الی دیار المحبوب، باب ہفتم در بیان تغیرات و زیادات کہ بعد از رحلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صفحہ ۱۰۸، نولکشور لکھنؤ)

در سنہ ثان وسبعین دستماتہ در دولت قلاؤن صالحی قبۂ خضرا کہ بالائے حظیرہ شریفہ است بلند تراز سقف مسجد بطرز یکہ الآں موجود ست باشباك نحاس نبافرمودند.

(جذب القلوب الی دیار المحبوب، باب ہفتم در بیان تغیرات وزیادات کہ بعد از رحلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صفحہ ۱۱۰، نولکشور لکھنؤ)

۶۷۸ ہجری میں قلاؤن صالحی نے تانبے کی جالیوں کے ساتھ قبہ خضرا بنوایا، جو حظیرہ شریفہ مسجد کی چھت سے بلند ہے اور اب تک اسی طرح سے موجود ہے۔

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے:

لما مات الحسن بن الحسن ضربت امرأته على قبره فسطاطا.

(عمدة القاری شرح صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور، جلد ۱۲، صفحہ ۴۳۹)

جب حسن بن حسن کا وصال ہوا تو ان کی زوجہ نے ان کی قبر پر خیمہ نصب کیا۔

سوال} بحث تو چل رہی ہے کہ بناء علی القبر کی اور تم نے حوالہ دے دیا خیمہ نصب کرنے کا یہ استدلال کیسا؟

جواب} خیمہ بر قبر نصب کرنا بھی بناء علی القبر کے قبیل سے ہے۔ چنانچہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ الباری فرماتے ہیں:

يحتمل وجهين أحدهما البناء على القبر بالحجارة وما يجرى مجراها والآخران يضرب عليها خباء.

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الجنائز، باب دفن المیت، جلد ۵، صفحہ ۴۴۰)

بناء دو طرح کی ہوتی ہے ایک یہ کہ پتھر سے قبر پر بنا کی جائے، دوسرے یہ کہ (قبر پر) خیمہ نصب کیا جائے۔

ضرب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی قبر زینب بنت جحش وضربه

محمد بن الحنفية على قبر ابن عباس وضربت عائشة على قبر أخيها.

(عمدة القارى شرح صحيح البخارى، كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور، جلد ١٢، صفحه ٢٣٨)

یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت زینب کی قبر پر اور محمد بن حنیفہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے بھائی کی قبر پر خیمہ نصب کرتے تھے۔

فائدہ} جم غفیر صحابہ کے سامنے یہ عمل ہوا۔ اُن میں سے یہ کہنے کے لیے کوئی نہیں اُٹھا کہ یہ بنا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشا کے خلاف ہے، نہ کی جائے۔ اُم المومنین بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے بھائی حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر خیمہ نصب کرتی ہیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ فعل اس مطلب کے صحیح ہونے پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تصدیق کی مہر لگاتا ہے۔

سوال} حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جلیل القدر صحابی ہیں، ان سے بناء بر قبر کی ممانعت منقول ہے، اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل چاہیے؟

جواب} اس کا جواب ہم از خود بتائیں تو منکرین نہ مانیں گے، اسی لیے ہم بجائے اپنی طرف سے جواب دینے کے ایک محدث کی زبانی عرض کرتے ہیں:

محدث ابن منیر فرماتے ہیں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خیمہ کو اس لیے پسند نہیں کرتے کہ لوگ یہ خیال نہ کرنے لگیں کہ مُردوں کے فائدہ کے لیے ایسے خیمے نصب کرنے چاہیے اور پھر وہاں بیٹھ کر دنیا کی بات چیت کیا کریں۔

محدث ابن منیر کے الفاظ سن لیے جائیں:

أراد البخاری أن الذی ینفع أصحاب القبور هی الأعمال الصالحة وأن علو البناء والجلوس علیه وغیر ذلك لا یضر بصورته و إنما یضر بمعناه إذا تكلم القاعدون علیه.

(فتح البارى ابن حجر، باب الجريدة على القبر، جلد ٣، صفحه ٢٢٣)

بخاری کی غرض اس حدیث کو لانے سے یہ ہے کہ مُردوں کو جو فائدہ دیتا ہے وہ عمل نیک ہے (یعنی مُردوں کو خیمہ نصب کرنے سے کوئی راحت و آرام اور نفع نہیں ہے جیسا کہ زندوں کو دھوپ اور بارش سے حفاظت حاصل ہوتی ہے اور وہ خیموں سے نفع حاصل کرتے ہیں) اور (دوسرے) بڑی عمارت بناء کرنی اپنی صورت میں مضر نہیں بلکہ اپنے معنی میں مضر ہو سکتی ہے یعنی وہاں لوگ دنیوی باتیں کرنے لگیں۔

کسی محدث نے یہ نہیں کہا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے خلاف کیا تھا، اس لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خیمہ نصب کرنے کو منع کیا۔ اس کی وجہ وہی ہے جو محدث ابن منیر نے بیان کی پس اس منع کا کوئی اثر نہی بناء کے لیے نہیں ہے۔

قد أباح السلف البناء على قبر المشايخ والعلماء المشهورين ليزورهم الناس ويستريحوا بالجلوس فيه.

(مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، جلد ۵، صفحه ۴۴۰)

بیشک ائمہ سلف صالحین نے مشائخ وعلمائے کرام کے مزارات طیبہ پر عمارت بنانا مباح قرار دیا کہ لوگ ان کی زیارت کریں اور اس میں راحت پائیں۔

ابن رشید ایک بڑے علامہ فرماتے ہیں، جسے ابن حجر عسقلانی نے حدیث "قال عثمان بن حکیم أخذ بیدی الخ" کے تحت میں نقل کیا ہے:

أن ضرب الفسطاط إن كان لغرض صحيح كالتستر من الشمس مثلا للحى لا لإظلال الميت فقد جاز وكأنه يقول إذا أعلى القبر لغرض صحيح۔ (فتح البارى ابن حجر، باب الجريدة على القبر، جلد ٣، صفحه ٢٢٤)

خیمہ نصب کرنا اگر غرضِ صحیح کے لیے ہو جیسے کہ زندوں کے لیے دھوپ سے بچنے کا سایہ مہیا کرنا نہ کہ صرف اس غرض سے (ہو) کہ مردہ پر سایہ ہو تو یہ جائز ہے۔

حضرت سیدی عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمہ اپنی کتاب کشف النور عن اصحاب القبور میں فرماتے ہیں، جسے صاحب روح البیان نے نقل کیا:

أن البدعة الحسنة الموافقة لمقصود الشرع تسمى سنة فبناء القباب على قبور العلماء والأولياء والصلحاء ووضع الستور والعمائم والثياب على قبورهم أمر جائز إذا كان القصد بذلك التعظيم في أعين العامة۔

(تفسیر روح البیان، سورۃ التوبۃ، جلد ۳، صفحہ ۴۰۴)

بدعتِ حسنہ جو مقصودِ شرع کے موافق ہو وہ سنّت ہے پس قبے بنانا اولیا وصلحا کی قبر پر اور پردے ڈالنے اور عمامہ رکھنا اور غلاف چڑھانا جائز ہے کیونکہ ان سے (غرض) لوگوں کی نظر میں ان کی عزت قائم کرنی ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

وَقِيلَ لَا يُكْرَهُ الْبِنَاءُ إِذَا كَانَ الْمَيِّتُ مِنَ الْمَشَايِخِ وَالْعُلَمَاءِ وَالسَّادَاتِ۔

(ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب مطلب فی دفن المیت، جلد ۶، صفحہ ۳۸۰)

بعض نے کہا کہ بناء مکروہ نہیں ہے جبکہ میت مشائخ سے اور علما اور سادات سے ہو۔

خلاصہ} مخالفین کے سوالات کا جوابات کا خلاصہ یہ ہے کہ جن قبور کو برابر کر دینے کا حکم فرمایا گیا وہ مشرکین وغیرہ کی قبور تھیں نہ کہ اہلِ اسلام کی۔ اس لیے کہ زمانۂ رسالت وعہدِ صحابہ میں اگر کسی کے مقابر پر تصاویر ہوتی تھیں تو مشرکین ہی کی تھیں، جس کا بیان خود احادیث میں ہے۔ مسلمانوں خصوصاً بزرگانِ دین کے مقابر ومزارات پر بحمد اللہ آج بھی کوئی ایسی تصاویر نہیں ہوتی۔

ہمارے دعویٰ مذکور کی دلیل احادیثِ صحیحہ سے ہے کہ بالشت سے بڑی قبور اہلِ اسلام کی عام تھیں، مثلاً

أنه صلى الله عليه وسلم رفع قبر ابنه إبراهيم شبرا وطينه بطين أحمر۔

(حاشیۃ الطحاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی حملها ودفنها، صفحہ ۴۰۵)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادہ ابراہیم کی قبر ایک بالشت کے برابر کی اور اسے سرخ مٹی سے کہگل فرمائی۔

فائدہ} افسوس کہ نجدیوں نے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مذکور کو مسمار کر دیا ورنہ ہم مشاہدہ کراتے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادہ کی قبر کس طرح تیار فرمائی۔

حرفِ آخر} یہ ہے حنفیوں کا مذہب کہ وہ بناء کو جائز کہتے ہیں۔ اس لیے کہ مدفن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفا حجرۂ عائشہ میں مدفون ہوئے اور اس طرح اسلام میں صحابہ کے پورے اجماع کے ساتھ اوّل قبہ قائم ہوا۔ اس لیے کہ حدیث سے بناء قبر کی ممانعت ثابت نہیں ہے اور جو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں ان کا مطلب وہ ہے جو ہمارے اکابرین نے سمجھا، نہ وہ جو اَب ہمیں سمجھایا جا رہا ہے۔ اس لیے کہ مقابر بزرگوں کے ساتھ محبت وارادت ظاہر کرنے کے واسطے ہیں اور اس غرض سے کہ ان کی منزلت اور توقیر لوگوں کی نظر میں قائم ہو اور لوگوں کو ان کی محبت کا نفع پہنچے۔ اس لیے ہمارے بیشمار علما اور لاتعداد اولیا اللہ کا یہی مسلک ومذہب ہے۔ اس لیے ہمارے فقہا بھی ہمیں اس کی اجازت دیتے ہیں۔

مزید تفصیل کے لیے فقیر کی تصنیف ''قبہ جات برمزارات'' (مزارات پر گنبد بنانا)'' کا مطالعہ فرمائیں۔

☆☆☆☆☆☆